www.HallaGulla.com

ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں

نجمیؔ اور جمشیدؔ
کے کارٹونوں کے ساتھ

Virtual Home
for Real People

ابنِ انشا

www.HallaGulla.com

ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں

سفرنامہ

Virtual Home for Real People

ایک ہدایت نامہ پیارے ہم وطنوں کے لئے

www.HallaGulla.com

ہم جب کبھی ملک سے باہر قدم نکالتے ہیں۔ پیچھے کوئی نہ کوئی خوابی ہو جاتی ہے۔لوگ ہماری غیر حاضری کا فائدہ اٹھانا شروع کر دیتے ہیں ۱۹۶۸ء کے اواخو میں سوچ کر ایک کر کہ اب یہ ملک نوزائیدہ نہیں رہا ماشااللہ بالغ اور ہوشمند ہوگیا ہے ہم ایک دورے پر نکل گئے سنگاپور بھی نہ پہنچے تھے کہ لڑکوں کے ہڑتالیں کرنے کی اطلاعیں آنے لگیں ہم نے سوچا کوئی بات نہیں ناسمجھ ہیں ہم واپس جا کر سمجھادیں گے لیکن ہانک کانگ کا پہنچے پر معلوم ہوا کہ بڑی عمر کے لوگ بھی بیانات دینے لگے ہیں۔جلوس نکل رہے ہیں۔لاٹھی چارچ ہورہا ہے وغیرہ۔یہ سچ ہے کہ ہم وہاں سے لوٹ آتے تو صورت حال کی اصلاح کر سکتے تھے۔اس ملک میں کوئی ہمارے کہنے سے باہر تھوڑی ہے لیکن یہ ہمارے اصول کے خلاف ہوتا۔ہم قدم آگے بڑھا کر پیچھے ہٹنے والے نہیں۔لہذا ہانک کانگ سے ٹوکیو پہنچے،ٹوکیو سے سیول اور ہونولولو ہوتے ہوئے سان فرنسسکو جاوارد ہوئے۔امریکہ سے سویڈن اور ترکی کے راستے واپسی تک حالات ہمارے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔گول میز کانفرس کی بات ہونے لگی۔گول میز کانفرس میں شریک ہونا ہم نے پسند نہ کیا۔یہ بھی اصول کے خلاف نظر آیا۔ہمارا اصول ہے کہ جہاں ہمیں کوئی بلائے نہیں،وہاں نہیں جاتے۔

خیر ہماری بات تو چھوڑے،تشویشناک خبریں سنتے تھے تو ہر بے عمل محبّ وطن کی طرح ملک کے حق میں دعا کر کے اپنے فرض سے سرخور ہوجاتے۔ تھے لیکن ہمارے ہمسفر فضل الباری صاحب کا معاملہ دیگر تھا۔آپ مشرقی پاکستان کے وزیر صحت تھے۔اور ہمارے تین نفری وفد کے لیڈر۔صحت ان خاصی خواب۔ہمارے ہمرکاب جو تین ایرانی اور تین ترک تھے۔وہ فقرہ بھی کس دیتے تھے۔کہ وزیر صحت کسی اچھی صحت والے کو بنا یا ہوتا۔بلکہ بہتر تو یہی تھا۔نہ بنایا ہوتا خبریں سن سن کران کا ہاضمہ خواب ہوگیا اور منہ ذرا سا نکل آیا شگا گو میں انہوں نے ہم سے کہا کہ ملک کی حالت خواب ہو رہی ہیمیری وزارت خطرے میں ہیں جب اوپر والا ہی نہ رہے گا تو ہم نیچے والے کیسے رہیں گے مجھے تو بار بار غسل خانے جانا پڑتا ہے اب تو میری جگہ کام کرو ہم نے مودبانہ کہا کہ ہم مشرقی پاکستان کے وزیر صحت نہیں ہو سکتے ہمیں اس قسم کے کام کا تجربہ نہیں آپ حوصلہ نہ چھوڑیں بولے میں تم سے مشرقی پاکستان کا وزیر صحت ہونے کی فرمائش نہیں کررہا اس وفد کی بات کر رہا ہوں جو کچھ کرنا ہے تمہی کیا کرو میں اب سویڈن اور ترکی وغیرہ بھی نہیں جاتا واشنگٹن ہی سے رخت سفر باندھتا ہوں نیو پارک ہم ان کو زبردستی لے تو گئے لیکن وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے اور وہاں سے لندن کے ائیر پورٹ پر پہنچتے ہی ہم سے یوں جدا ہوئے کہ دعا سلام بھی نہ ہوئی گویا وہ سیاہی بصیرت سے ایسے محروم نہ تھے دیگر نمی مانند کی واردات ہوئی گویا وہ سیاسی بصیرت سے ایسے محروم نہ تھے جیسے صحت سے تھے کونکہ آج ہمیں سفر تازہ وپیش ہے لہذا ہم اپنے پیارے ہموچنوں کی رہنمائی کے لئے ایک ہدایت نامہ چھوڑ جارہے ہیں ان کو چاہئے کہ سچے مسلمان بنیں اگر ہماری موجودگی میں کسی وجہ سے نہیں بن سکتے تھے تو ہمارے بعد بنیں سچ بولیں پورا تو کو

کرلیں قوم اور ملک کے لئے ایثار کریں اس کے لئے وہ چاہیں تو ہماری مثال اپنے سامنے رکھ سکتے ہیں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں رمضان شریف کی آمد آمد ہے ہم تو خیر سفر میں ہیں اور ہم پر مسافرت کے احکام کا اطلاق ہوگا لیکن اہل وطن کو ہماری تاکید ہے کہ ایک تو رمضان شریف کے درمیان شراب خانے بند رہنے چاہیئے جس کسی کے پاس ڈاکٹر کا سرٹفیکیٹ ہے کہ یہ شخص نہیں پیئے گا تو اس کی صحت تباہ ہو جائے گی وہ چند بولیں ابھی سے خرید کر رکھ لے جو لوگ شراب نہیں پیتے وہ یہ احتیاط کریں کہ دن میں ایسے ہوٹلوں میں نہ جائیں جو پردے نہ کراتے صرف ایسے ہوٹلوں میں جائیں جو رمضان شریف کے احترام کے آداب جانتے ہیں اور باہر نکلیں تو اچھی طرح منہ پونچھ کر نکلا کریں۔ ان اونچی باتوں اور موعظہ حسنہ کے ساتھ بعض مقامی ہدائتیں بھی ضروری معلوم ہوتی ہیں ہمارا علاقہ جیسا ہم چھوڑ کر جارہے ہیں ویسا ہی ہمیں واپس ملنا چاہیئے ناظم آباد کی بڑی سڑک کو توڑ کر چند ہفتے پہلے جو پتھروں کی ڈھیریاں لگادی گئی تھیں وہ ہمارے آنے تک لگی رہنے چاہیئے وہ بہت اچھی بلکہ رومانٹک معلوم ہوتی ہیں ہم نے اپنے دوستوں اور ملنے والوں کو یہ شعر لکھ بھیجا ہے کہ انہیں پتھروں پر چل کے آسکو تو آؤ مرے گھر کے راستے میں کوئی راستہ نہیں ہے
پاپوش نگر کے قبرستان کے سامنے جو مین ہول کئی ماہ سے کھلے پڑے ہیں ان کو بھی بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ کسی شخص کا مردہ ان میں سے نکال کر وہیں سامنے دفن کردینا کہیں زیادہ کم خرچ ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کا جنازہ اس کے گھر سے لایا جائے کارپوریشن کے ہیلتھ افسر صاحب بھی نوٹ فرمائیں علامہ اقبال ٹاؤن میں ہمارے گھر کے ساتھ جو کوڑے کا فلک بوس ڈھیر ہے وہ وہاں سے نہ ہٹنے ورنہ ہم احباب کو اپنے گھر کی اور کیا نشانی بتایا کریں گے اب تو لوگ دور دور سے بلا کسی سے دریافت کئے محض بو سنگھتے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ادب اور آرٹ کے بارے میں بھی لوگ ہماری ہدایات کے منتظر ہوں گے ہمیں اس بارے میں کچھ زیادہ نہیں کہنا شاعر سے جاری رہنے چاہئں تا کہ زبان کی صفائی ہوتی رہے صفائی کا مطلب یہ نہیں کہ ادب کے میدان میں بالکل ہی جھاڑو دے دی جائے بلکہ صیقل کرنے کی طرف اشارہ ہے آرٹ کونسل کو ہماری ہدایت ہے کہ تجریدی مصوری کی نمائش جاری رکھے تا کہ لوگوں کا دل ملکی مسائل سے ہٹا رہے جن پر غور کرنے کا ہمارے نزدیک کچھ فائدہ نہیں ہم تجرید کے قائل آرٹسٹوں سے بھی زیادہ ہماری روئے میں ہمارے آرٹ کو مجرد ہونا چاہیئے ہمارے ادب کو مجرد ہونا چاہیئے بلکہ ادیبوں، شاعروں اور آرٹسٹوں کو بھی مجرد ہونا چاہیئے اگر باقی لوگ بھی مجرد ہوں تو ہمارے نزدیک اور اچھا ہے ہماری سوچی سمجھی رائے میں آنے والی نسلوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ پیدا نہ ہوں۔

مسائل تو اور بھی رہے جا رہے ہیں مثلاً انتقال اقتدار کے مسئلے پر ہماری رائے لیگوں کے ادغام کے بارے میں ہمارے خیالات وغیرہ لیکن اخبار میں ان پر لکھنا ٹھیک نہیں ہمارے پیچ رو کو براج حکیم ہرنام داس بی اے مصنف ہدایت نامہ خاوند، ہدایت نامہ بوی، ہدایت نامہ والدین وغیرہ سب کچھ متن میں نہیں لکھ دیتے تھے بلکہ کتاب کے اندر ایک لفافہ رکھ دیتے تھے اور وہی پوری کتاب کی جان ہوتا تھا ہم نے بھی مذکورہ بالا موضوعات پر لفافے تیار کر رکھے ہیں جو دس روپے کا منی آڈر بھیج کر ہم سے مفت طلب کئے جاسکتے ہیں دس روپے کی شرط اس لئے ہے کہ صرف ضرورت مند حضرات طلب کریں ورنہ لوگ بے ضرورت بھی لے لیتے ہیں کہ مفت کا ہے اور پھر پھینک دیتے ہیں۔

پھر چھڑا حسن نے اپنا قصہ

ہمارا سفرنامہ آوارگی کی ڈائری پچھلے دنوں چھپا تو اس کی رونمائی کی تقریب میں ہمارے ایک عزیز دوست نے ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے یہ فقرہ کہا کہ انشا صاحب سفر تو دور دور کا کرتے ہیں لیکن چھ ہزار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد اپنے ہوٹل کے کمرے میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس کے غسل خانے کا طول عرض ناپنے لگتے ہیں یا اپنی بے زری کا گلہ کرنے لگتے ہیں۔ اس ملک کی عمرانیات لسانیات نسلیات نباتات جمادات حیوانات سیا سیاحت ادب آرٹ اوپر بیلے وغیرہ کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات بہم نہیں پہچاتے یہ بات ہمیں بری لگی جو مشتاق احمد یوسفی کی منطق کے موجب اس بات کا ثبوت تھی کہ سچی تھی لہذا اب کے ہم نے ولایت کے لئے رخت سفر باندھا تو طے کر لیا کہ فقط فنون لطیفہ ادب، آرٹ تھیٹر وغیرہ اور اونچے مسائل اور ارفع مباحث سے سرو کار رکھیں گے جیسا کہ ہم ایسے تعلیم یافتہ آدمی کے شایان چان ہے وانشور کی سطح سے ہر گز نیچے نہیں اتریں گے ایک سیڑھی بھی نہیں اور جہاں تک ہوٹل یا اس کے کمرے یا غسل خانے کا سوال ہے اس کی طرف تو مطلق اعتنا نہ کریں گے کیونکہ یہ ایک عامیانہ سی بات ہے اس کا فائدہ یہاں کے لوگوں نے یہ اٹھایا کہ فرنیکفرٹ میں پہلے روز ہم نے غسل خانے جانا چاہا تو اس کا دروازہ ہی نہ ملا ہم نے مینجر کو بلا کر کہا بھلے مانس کہاں ہے دروازہ۔۔۔۔۔۔۔اس نے کہا کہیں بھی نہیں ہے ہے کیونکہ آپ کے کمرے کے ساتھ خانہ نہیں ہے آپ کو اپنی غیر ضروری حاجات کے لئے اپنی خلعت فاخوہ یا کم از کم چغہ یا یا جھبر جھالا پہن کر وہاں جانا ہوگا اس پر ہم نے ہوٹل والوں سے کہا کہ اس کی سہی نہیں جناب ہمیں غسل خانہ چاہیئے اس کے ساتھ کمرہ ہو نہ ہو کچھ پرواہ نہیں کیونکہ ہم غسل خانے کے تخت طاؤس پر بیٹھے بیٹھے غورو فکر کرتے ہوئے وقت گزار لیں گے مینجر کے جی میں نیکی آئی تو اس نے اگلے روز ہمیں ایک غسل خانہ دے دیا اور اس کے ساتھ ملحقہ ایک کمرہ یعنی بیڈ روم بھی میونخ میں ہماری بے نیازی کا فائدہ اٹھا کر ہمارا ایمان خواب کرنے کی کوشش کی گئی یعنی ہوٹل کے کمرے کے کونے میں شرابوں کی الماری رکھ دی گئی جس میں ہر طرح کی شراب کے شیشے تھے اور ہمارے لئے بالکل مفت تھے کیونکہ بل ہمارے میز بانوں کو دینا تھا کئی بار جی میں آئی کہ یہاں کون دیکھتا ہے غٹ غٹ پی جائیں بعد میں کلی کر لیں گے یوں بھی ہمارے سفر نامے میں اپنی پارسائی کا جو احوال ہم رقم کرتے ہیں اس پر لوگ اعتبار تھوڑا ہی کرتے ہیں لوگ اتنے بوقوف تھوڑا ہی ہیں لیکن افسوس ہمارے شجرہ نسب میں کہیں کوئی قاضی نہیں پے کہ ہم اس کی آڑ میں اسے حلال کر سکتے ہاتھ بوتل کی طرف جونہی بڑھاتے ایک کڑکا سنائی دیتا تھا ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے ناچار کوکا کولا یا کھاری سوڈا نکالتے ہیں اور اسے پی کر خود کو مبارکباد دیتے تھے کہ غالب نے اپنے کو آدھا مسلمان لکھا تھا کہ سور نہیں کھاتا شراب نہیں پیتا ہوں ہم نہ یہ پیتے ہیں نہ وہ کھاتے ہیں گویا ایک بات تو مرزا غالب سے برتری کی ہم میں بھی ہے اب اس کی قدر کرنا نہ کرنا ابنائے زمانہ کا کام ہے ہم کو نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پروا۔

اس کمرے میں ٹیلی ویژن بھی تھا جس کی وجہ سے ہم جتنے دن میونخ میں رہے سنجیدہ موضوعات پر غور و فکر نہ کر سکے اور بجلی کا مالشیا بھی جس سے ہم پارسال پیرس میں استفادہ کر چکے ہیں یہ ایک ڈبہ سا ہوتا ہے جس میں ایک مارک یا ایک فرانک ڈالتے ہیں اور مندرہ منٹ تک بستر پر تھرتھراہٹ طاری ہو جاتی ہے ہماری رائے میں یہ مالش بڑی حد تک نفسیاتی ہے مالش تو وہ ہے جو ہمارے ہاں ہوتی ہے کہ مالش کرنے والا بدن کو مالش کرانے والے کے بدن کو چیڑ کر پٹے کے ہاتھ چلاتا ہے کہ بند بند جھنجھوڑتا ہے توڑتا ہے نچوڑتا ہے تھکن تو بیشک دور ہو جاتی ہے لیکن پہنچا اتر جاتا ہے یا نہہ ہتھے سے اکھڑ جاتی ہے ناف ٹل جاتی ہے یا آدمی بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے ٹوکیو اور بنکاک کے حماموں میں تو جہاں سب ننگے ہوتے ہیں مالش کا کام طرحدار اور باعفت بی بیوں کے سپرد ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک اپنی عفت کو ہاتھ نہیں لگانے دیتیں جب تک آپ ان کو دس بیس ڈالر مالش کی اجرت کے علاوہ نہ دیں لیکن یہ مہینہ رمضان شریف کا ہے ہمیں اس قسم کے ذکر اذکار سے اور گندی گندی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے یوں بھی حمام کو غسل خانوں کی ذیل میں رکھا جا سکتا ہے جس کے دتر وازے یعنی جس کے ذکر کے دروازے ہم نے خود پر بند کر رکھے ہیں ہم نے اپنے آپ میں اس قدر اصلاح کر لی ہے کہ خود ہم کو حیرت ہوتی ہے اگر ہمارے میزبان ہمیں بازار کی طرف لے جاتے ہیں تو ہم آرٹ گیلری کی طرف بھاگتے ہیں ہمارے سامنے نائٹ کلب یا لہو ولعب کے کسی اور کارخانے کا مذکورہ لاتے ہیں تو ہم کہتے ہیں پہلے تنقید عقل محض اور نطشے کی فوق البرث پر بحث ہونی چاہئے ہمیں مناظر قدرت دکھانا چاہتے ہیں تو ہم اقبال کے مصرع کا ترجمہ سنا دیتے ہیں کہ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی جرمنی کی عورتیں کیسی ہوتی ہیں اور کپڑے کیسے پہنتی ہیں اور پہنتی بھی یا نہیں یہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کیونکہ عورتوں کی طرف ہم دیکھتے ہی نہیں ایک تو اپنی طبعی شرماہٹ اور شرافت کی وجہسے اور دوسری وجہ ہم اس وقت بھول گئے ہیں۔

جہاں جہاں ہم گئے ہم نے اوپرا ضرور دیکھا یہ فنون لطیفہ کی انتہائی لطیف صورتوں میں سے اس میں تماشا شروع ہونے سیت پہلے ہی داد کے لئے تالیاں بجانی پڑتی ہیں لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخوا سٹیج کے نیچے نشیب میں پچیس تیس آدمی طرح طرح کے ساز لئے بیٹھے ہوتے ہیں اور ایک آدمی برابر ہاتھ اور چھڑی ہلاتا رہتا ہے ہمارے ہاں کی طرح کسی سازندے کو اپنا سبق یا کردار ابانی یاد رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس کی روں روں کے بعد پھر حاضرین کو تالیاں بجانی پڑتی ہیں اور سازندوں کے سر غنچہ کو جھک کر آداب بجا لاتے ہوتے ہیں کھیل تو جلدی ختم ہو جاتا ہے زیادہ وقت آخو میں کرداروں کے تعارف میں لگتا ہے پہلے سب مل کر داد وصولی کرتے ہیں اور حاضرین سے تالیاں بجواتے ہیں پھر ہر شخص فردا فردا آتا ہے پھر دو دو کر کے آتے ہیں پھر تین تین کر کے آتے ہیں پھر سب ہاتھ پکڑ کر دوڑے آتے ہیں پردہ کھلتا ہے بند ہوتا ہے آخو میں جب وہ تھک جاتے ہیں تو داد وصولی کرنی بند کرتے ہیں اور ناظرین کی گلو خلاصی ہوتی ہیں یورپ کے ہر بڑے شہر بلکہ قصبے میں اوپرا ہاؤس ہیں پچیس تیس آدمی مل کر اتنا شور مچاتے ہیں یعنی موسیقی بہم پہنچاتے ہیں جتنی ہم لوگ ایک معمولی ٹرانسسٹر سے پیدا کر سکتے ہیں ٹکٹ خاصا مہنگا ہوتا ہے اور گیلری بھری رہتی ہیں اور عورتیں لمبے لمبے جامے پہن کر اور سولہ سترہ سنگار کر کے آتی ہیں اور بہت خوچ ہوتا ہے ہمبرگ کے اوپرا ہاؤس کو پر سال حکومت کی طرف سے ۲۰ ملین یعنی دو کروڑ مارک کی امداد ملتی ہے۔

القصہ جرمنی کے جس شہر میں ہم جاتے ہیں اوپر ہمارے پروگرام میں ضرور شامل ہوتا ہےاوپر میں جوکوئی بھی آتا ہے ٹھوکرہی لگاتا ہے یہ توخیر فلمی مصرع ہے جو فلموں سے رغبت کی وجہہ سے زبان قلم پرآگیا ہے کہنا یہ ہے کہ جو کوئی بھی آتا ہے گاتا ہوا آتا ہے ایک طرح کی اندرسبھا سمجھئے یہ سچ ہے کہ اوپر میں بیٹھے ہی ہمیں نیند آنی شروع ہو جاتی ہے اور موسیقی تو ہمیں اپنے ملک کی بھی سمجھ نہ آئی یہ تو پھر باہر کی ہے اس کے باوجود ہم پوری طرح محفوظ ہوتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں اور دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تالیاں بجاتے ہیں تا کہ ہمارے اعلی تہذیبی ذوق کے بارے میں کسی دل میں بے جاوسوسہ پیدا نہیں ہوتا تاہم ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے فرنیکفرٹ اور میورتح اور برلن اپنے۔تہذیبی ذوق کی آبیاری کے بعد ہمبرگ پہنچے تو وہاں بھی اوپر ہمارا منتظر تھاiada دکھایا جارہا تھا جومصر قدیم کی داستان ہے کوچی جیسی واڑھی والے فرعون صاحب اور انکی باندی اوران کے لشگری اور درباری آدھہ آدھہ گھنٹہ تک جرمن زبان ہوگا گراپنے جذنات کا اظہار کرتے ہیں دوسین تو ہم نے جماہیوں اور غنودگی کے باوجود دیکھئے اس کے بعد باہرنکل آئے اور سڑک کی سیر سے کماحقہ لطف اندوز ہونے کے بعد ایک سینما میں گھس کیئے جس میں بکاشیو کی ڈی کامران دکھائی جارہی تھی یہ اہل مغرب کی الف لیلہ ہے اس میں ہر پانچ منٹ کے بعد نامحرموں میں اس قسم کا اختلاط دکھاتے ہیں کہ ہماری مچرتی اخلاقی قدروں کو بہت بری طرح ٹھیس پہنچی تھی لیکن اتنا ہے کہ ہمیں جمائیاں نہیں آئیں اور نیند نہ صرف اس وقت بلکہ اس کے بعد مناسب نہ ہوگا بعض باتیں تو کسی نامبارک مہینے میں بھی بیان کرنے کی نہیں ہیں۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔

انگلستان کو چھوڑ کر یورپ کے جس ملک میں بھی ہم جائیں زبان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے ہمارے لئے نہیں اس ملک کے لوگوں کے لئے کیونکہ ہم تو اپنا منشا انگریزی میں بخوبی ادا کر لیتے ہیں یہ لوگ سمجھ نہیں پاتے یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی انگلستان والے بھی ہماری انگریزی سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں لیکن ایسا فقط کبھی کبھی ہوتا ہے لندن میں ہم نے جب کبھی کنگھا خریدنا چاہا لیا ہمبرگ میں نہیں خرید سکے۔ ہمبرگ میں اس روز بہت تیز ہوا چل رہی تھی اور ہمیں ایک پبلشر سے ملنے شہر سے دور ایک قصبے میں ریل سے جانا تھا ہمبرگ میں عام بڑی ریلوے کے علاوہ دو طرح کی چھری ریلیں چلتی ہیں ایک یو بان یعنی ابڈر گراؤنڈ اور دوسری ایس بان یعنی کی سطح سے ایک منزل اوپر چلنے والی ہم بے اپنے سفر نامے آوارہ گردی کی ڈائری میں برلن کی ایس بان کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے ہم اور مولوی محبوب عالم پیسہ اخبار والے سفر کرتے رہے ہیں وہ ۱۹۰۰ئمیں ہم ۱۹۶۷ء میں تو یہ ذکر ایس بان کے اسٹیشن کا ہے اور ہمبرگ میں ہوا کے چلنے کا ہے جس کی وجہ سے ہمارے گیسو بے طرح پریشان ہو رہے تھے ہمیں اپنے دوست مشتاق احمد یوسفی پر رشک آیا کہ کتنی بھی ہوا چلے انکو ایسے پرابلم پیش نہیں آتے ہمارے ترجمان مسٹر کیدر لین تو ٹکٹ لینے چلے گئے ہم نے ایک دکان پر کنگھا خریدنا شروع کیا اور خریدتے چلے گئے۔comb تو خیر وہ کیا سمجھتا ہم نے اپنے بالوں میں انگلیوں سے کنگھا کر کے دکھایا اس نے پہلے کریم کی ایک شیشی پیش کی ہم نے رد کر دی تو شیمپو کی ایک ٹیوب دکھائی، اسپر ہم نے ہامی نہ بھری تو وہ بالوں کی ایک دل دکھانے لگا ہم نے بالوں کی پٹیاں ہاتھ سے جما کر دکھائیں ٹیڑھی مانگ نکالی سیدھی مانگ نکالی لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا جانے وہ اپنے کنگھے اور دوسرے سامان کیسے بیچتا ہوگا اتنے میں مسٹر کیدلین آ گئے اور انہوں نے کوئی لفظ کہا اور دکاندار نے جھٹ بہت سارے کنگھے نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ آج کی سنئے کہ دم تحریر ہم برلن اور ہمبرگ اور میونخ وغیرہ کو بھگتا کر دوبارہ فرنیکفرٹ میں فردکش ہے اتوار کا دن ہے اور عین اس وقت بھی گرجا کا گھنٹہ بن رہا ہے صبح اٹھ کر ہم نے شیو کا سامان نکالا اور صابن لگایا بلیڈ تلاش کئے تو ندادر سوٹ کیس کا کونا کونا چھان مارا کچھ فائدہ نہ ہوا آخو خریدے جاسکتے ہیں اسبھلے آدمی نے جانے کیا سمجھا بولا اچھا تو آپ جا رہے ہیں آپ کا بل بنا دوں ہم نے کہا نہیں بھائی ہماری صورت سے اتنے بیزار کیوں ہو رہے ہو ہم فقط شیو کرنا چاہتے ہیں داڑھی پر ہاتھ پھیر کر بتایا بولا اچھا اچھا لیکن آج تو سب دکانیں بند ہیں یہ ہوسکتا ہے کہ ریلوے اسٹیشن جاؤ اور قسمت آزماؤ غنیمت ہوا کہ یہ ہوٹل جسے ہم ہوٹل چینسر گوٹ کہتے ہیں کیونکہ اس کا نام ہوٹل حشیشر ہوف یاد رکھنے کی اور کوئی ترکیب نہیں اسٹیشن سے فقط پندرہ بیس منٹ کی راہ پر واقع ہے چنانچہ ہم نے صبح کی ٹھنڈ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ادھر کا رخ کیا اس وقت نو بجنے کو تھے لیکن سڑک پر آدم نہ آدم زاد بندہ نہ بندے دہی ذات سارا اسٹیشن کھوم گئے مٹھائی کی دکانیں کھلی تھی ناشتے والے تھے اخبار والے تھے تمبا کو اور سگریٹ والے تھے لیکن ہمارے مطلب کی چیز بیچنے والا کوئی نہ تھا ہم مایوس ہو رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اچھا داڑھی بڑھا لیں گے آج کل فیشن میں داخل ہے اور داڑھی نہ رکھنے والا آدمی یعنی ملا سمجھا جاتا ہے اپنے پیارے مذہب کے بعض احکام بھی یاد آئے لیکن اتنے میں ایک کولکی نظر آئی کنگھے والے تجربے کی وجہ سے اب کے ہم اپنی زبان دانی پر دھار رکھ کر گئے تھے نہ صرف ڈکشنری سے بلیڈ کا ترجمہ دیکھ لیا تھا بلکہ یہ بھی یاد کر لیا تھا کہ شیو کرنے کو کیا کہتے ہیں rasieren کم پڑھے لکھے لوگوں کو معلوم رہے کہ ریزر کا لفظ یہیں سے نکلا ہے یا پھر یہ ریزر میں سے نکلا ہوگا وہاں کھڑکی خالی تھی لیکن اتنے میں ایک بڑی بی آ ہی گئیں ہم نے پہلے بلٹ کہا پھر

rasierenاور پھر داڑھی پر ہاتھ پھیرا بولیں you mwan blade اور بلیڈوں کا پیکٹ اٹھا کر دے دیا معلوم ہوتا ہے اس بیچاری کو جرمن نہیں آتی تھی صرف انگریزی آتی تھی ہماری طرح دونوں زبانوں پر قادر معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

کل شام ٹیکسی والے نے ہمارے گٹن تان کے جواب میں بڑے صحیح مخرج سے کڈ ایوننگ کہا اور پھر انگریزی بولنی شروع کی ہم نے کہا میاں خوب انگریزی بولتے ہو ہمارے مقابلے کی نہ سہی پھر بھی خاصی اچھی ہے بالا جی میں لندن کا رہنے والا ہوں یہاں ٹیکسی چلاتا ہوں انڈیا میں بھی رہا ہوں آپ کہاں کے ہیں ہم نے پاکستان اور کراچی کا نام لیا بالا، لاہور بڑا خوبصورت شہر ہے ہم نے کہا کیسے معلوم ہوا بالا میں چھ سام تک اٹا کی کیپ میں رہا ہوں جو لاہور اور امرزہ کے درمیان واقع ہے اٹا کی اور امرزہ تو ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن مزید تفصیل یہ معلوم ہوئی کہ وہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۲ء تک وہاں رہے فوج میں میجر تھے ہم نے کہا اردو میں بولتے ہو ان کی سمجھ میں نہ آیا ہم نے انگریزی میں یہی سال کیا تو بولا ہم آفیسر تھا اور برٹش آرمی میں تھا ہمارا چھوٹا لوگ سپاہی لوگ natives سے ملتا تھا آخو ہم نے کہا تمہارے کیپ کا نام ہماری سمجھ میں نہیں آیا اٹا کی تو کوئی جگہ نہیں اٹاری ہو شاید بولا ہاں اٹاری اٹاری امروز کے بارے میں بھی ہم نے کہا یہ امرتسر کی خوابی معلوم ہوتا ہے اس نے تصدیق کی یہ میجر تھامس صاحب جورونہ جاتا اللہ میاں سے ناتا بس تنہا یہاں رہتے ہیں سال دو سال میں لندن بھی ہو آتے ہیں بولے میرے لئے سب جگہیں برابر ہیں میں ابڈیا میں رہا فلسطین میں رہا جرمن جاتا ہوں فرنچ جانتا ہوں اٹالین جانتا ہوں ہسپانوی جانتا ہوں ہم نے کہا اچھا میجر صاحب ہماری منزل آگئی ہمیں اتار یئے ہم نے میجر صاحب کو تھوڑی سی بخشش بھی دی اور انھوں نے تھینک یو کہا یہی میجر ہمیں ۱۹۶۶ء میں سڑک پر دیکھ لیتے تو گولی مار دیتے غنیمت یہ ہے کہ ہم ان کے ولایت لوٹ جانے کے بعد پیدا ہوئے۔

میونخ میں جو بھی بیبی ہمارے پلے پڑیں وہ بہت شائستہ اور نسلعتیں تھیں پلے پڑنا کا لفظ تو خیر بہت وسیع مفہام رکھتا ہے اور کئی غلط فہمیوں کو جنم دے سکتا ہے ہمرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سایھ بطور گائید نتھی الف تھیں یہ بھی ہم اپنے علم کی وسیت کی وجہہ عدالتی اصطلاح لکھ گئے منسلک تھیں کہیئے اور تو بہت کچھ جانتی تھیں کہ ہمارے ملک کا نام بھی سن رکھا تھا لیکن ہماری زبان کا نام سن کر ہنسیں بولیں ارندو ہم نے تصحیح کی کہ ارندو نہیں اردو کوئی تین کے بعد ان کو یہ نام یاد ہوا ظاہر ہے ہماری زبان کی خوبوں اس کے درد بست فصاحت و بلاغت ضائع بدائع مراعاۃ الظیر مفعول عالم تسیم فاعلہ اور دوسری باریکیوں تک پہنچنے کے لئے کئی سال ہمارے پاس تھے ہم نے ان کو وہاں تک پہچانے کے لئے کئی سال ہمارے پاس نہیں تھے ہم نے ان کو مختصراً الفاظ میں بتایا کہ کروڑوں آدمیوں کی اس زبان کے عظیم ادب میں ہمارا کیا مقام ہے کیسے ہمیں وہاں سرآنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے کیسے ہمارے ملک کی گرریاں ہمارے آنے کی خبر سن کر قطار در قطار کھڑی ہو جاتی ہیں انکسار اچھی چیز ہے لیکن ہر چیز کا حتی کہ انکسار کا بھی کوئی موقع محل ہوتا ہے ہم نے موصوفہ سے کہا کہ تم اپنے حساب سے یوں سمجھ لو کہ جرمن ادب میں گونٹے ہے کچھ ایسے ہی اردو ادب میں ہم ہیں فیض کے دو تین اشعار کا ترجمہ بھی سنایا کہ یہ ہمارا نمونہ کلام ہے بہت خوش ہوئیں اور بس انھیں خوش کرنا ہی ہمارا مقصد تھا فیض صاحب روس وغیرہ میں ہمارے اشعار اپنے نام سے پڑھ کر رنگ جمانا چاہیں تو ہماری طرف سے اجازت ہے عوض معاوضہ گلہ ندارا۔

چند خطوط۔۔ سراسر ذاتی

فرنیکفرٹ ہمیں پسند ہے اس کی گلیوں میں ہم بار ہا تنہا گھومے ہیں گلیوں میں ریلوے اسٹیشن پر دریائے مین کے ساتھ ساتھ اس پار اور اس پار یونیورسٹی کی غلام گردشوں میں گوئٹے کے گھر کے نواحات میں پام گارڈن میں باغ وحش میں جرمنی کا پہلا شہر فرنیکفرٹ ہی تھا جسکے کنارے ۱۹۶۱ء کے موسم خزاں میں ہمارا کارواں آن کے اترا تھا لیکن اب کے ہم تنہا نہیں تھے جرمنی کی حکومت کے مہمان تھے اور ان صاحبوں کے آداب میز بانی یہ ہیں کہ آپ جرمنی میں اترنے کے لمحے سے لے کر ایک ترجمان آپ کے ساتھ ہو جائے گی یا ہو جائے گا عام طور پر ہو جائے گی ہی کہیے اور اس ضمن میں بھی اپنی اپنی قسمت کی بات ہے آپ کے دلوں کی خوشگواری یا ناخوشگواری کا انحصار اس پر ہے کہ آپ کو کیسی رفیق کیسی ملی خوش مزاج یا ترش رو دلنواز یا تندرو خوفیض یا کنجوس اس کے پاس ایک بوا ہوتا ہے آپ کی ٹیکسی کا بل یہ دے گی کھانے کا بل یہ ادا کرے گی تھئٹر سینما، میوزیم سب جگہ لے جانا اس کا ذمہ رہے گا آپ دندناتے کھائے نقد پیسہ آپ کے ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا پہلے دن جب ا رسلارات کے گیارہ بجے ہم سے جدا ہو کر جانے لگی تو ہم نے کہا تم نے تو فریاد تھا کہ دن بھر ساتھ رہو گی بولیں دن ختم ہوا ہم نے بہت حجت کی کہ ریلوے کا دن ۲۴ گھنٹے کا ہوتا ہے اور ہم ریلوے کے آدمی ہیں اور اکثر نائٹ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں لیکن اس نے ہماری ایک نہ سنی۔

اس سفر کے دقران ہم نے ایک دوست کو جو خط لکھے پیرس سے وہ انھوں نے ہمارے حوالے کر دئے ہیں در عہد جوانی کی طرح دوران مسافرت میں بھی چنانچہ سمے سمے کی بات الگ ہے سمے سمے کا اپناؤ بھاؤ۔

فرنیکفرٹ
۱۴ ااکتوبر ۱۹۷ء

جناب والا، دم تحریر ہم فرنیکفرٹ سے بولی رہے ہیں شب و روز مفت کی کھا رہے ہیں جو مزہ مفت کی کھانے میں ہے وہ کما کر کھانیمیں کہاں آدھا مزہ تو اسی خیالسے غارت ہو جاتا ہے کہ ہم اپنا پیسہ کھا رہے ہیں بھلا اپنا پیسہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔ ہاں ایک ترجمان ہمارے ساتھ ہے جرمنی میں خونصورتوں کی کمی نہیں لیکن ہمارے ساتھ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آدمی کا بچہ لگاتے ہیں پچھلی بار بھی برلن میں ہمارے ساتھ یہی ہوا تھا یہ الگ بات ہے کہ سفر نامے میں ہم نے اپنی رفیقہ کا ذکر ایسے گول مال الفاظ میں کیا تھا کہ بہت سے رقیب مارے رشک کے جاں بحق ہو گئے اور بہت سی ویسی حسیناؤں نے اپنی انگلیاں جلاپے میں کاٹ لیں اس بیبی ترجمان سے ہم نے کہا تمہارے نام کے کچھ معنی بھی ہوتے ہیں فرمایا جی ہاں بندی کے نام کا مطلب ہے ریچھ کا بچہ فوراً نظیر اکبر آبادی یاد آئے وہ ہوتے تو ان کو نچانے کی سوچتے بہر حال یہ ثابت ہوا کہ جرمن لوگ حقیقت شناس ہیں ہماری طرح نہیں کہ اندھے کا نام نین سکھ رکھ دیں حالانکہ ان کا کھانا پینا بھی ہمارے کھاتے میں ہوتا ہے لہذا یہ بے تحاشا طرح طرح کی وائن پیتی ہیں اور ہمیں ا

پیل جوس پلاتی ہیں یہ کہہ کر یہ فرنیکفرٹ کا خاص تحفہ ہے جس اونچے ریستوران میں جانے کا اس کا جی چاہتا ہے وہاں لے جاتی ہیں اور چنگا چوسا کھاتی ہیں ہم تو آلو گوشت کھا کر اور کوکا کولا پی کر آ جاتے ہیں یہ شراب شروع کر کے شراب پر ختم کرتے ہیں ہمارے میزبان بھی بل دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ یہ شخص کیسا بلانوش ہے صورت سے تو معلوم نہیں ہوتا۔

دفتر سے چھٹی، کام سے چھٹی، مالم تک سے چھٹی خبروں سے بھی چھٹی ہی جانیئے ہیرالڈٹر مینون لیا تھا اس میں پاکستان کی خبر تھی وہ بھی نہ مکمل جلالت آب یحیٰ خاں کا وقول نقل کیا ہے کہ سال کے آخو تک اقتدار منتقل کر دیا جائے گا لیکن سال نام یعنی نہیں لکھا۔

اب اگلا خط آگے کی منزل سے جرمنی کو بھگتا کر پیرس آئیں گے وہاں ہمارے خیر مقدم اور خور نوش کا مضبوط انتقام ہونا چاہئے۔

میونخ

۱۱۶ کتوبر ۱۹۷۱ء

میونخ میں ہمارے استقبال کی کوالٹی معتد بہ طور پر بہتر ہو گئے ہے۔ ہر چند کہ استقبال کرنے والی بی بی ویرانیکا اپنے ساتھ باجا نہیں لائیں نہ سرخ قالین بھی بچھا یا جھنڈیاں اور محرابیں بھی ہم نے نہ دیکھیں لیکن یہ کیا کم ہے کہ خوبصورت تھیں اور مسکراہٹ بھی دلنواز رکھتی تھیں ہم نے کہا thank you for beink so beauti ful فرنیکفرٹ والی مادہ ریچھ کو یاد کرتے ہوئے ہم نے کہا اے نیک بخت اے دختے میونخ بھلا تیرے نام کا کیا تو تو ہمیں خوگوش کا بچہ معلوم ہوتی ہے ہنس کر بولیں آپ کے نام کا کیا مطلب ہے ہم نے کہا ہمارے نام کا مطلب ہے کچھ اب دوڑ ہونی چاہئے دیکھیں کون جیتتا ہے بہت ہنسں فرمایا میرے نام کا مطلب ایک طرح کا پھول ہے ہم نے کہا یہ بھی اچھا ہوا برا نہ ہوا ہمیں گیت وغیرہ لکھنے میں آسانی رہے گی بھونرا بن کے منڈلائیں گے۔

اب برلن بیچ میں ہے اور پھر ہمبرگ ہے اگر صورت حال یونہی بہتر ہوتی رہی تو یقین ہے ہمبرگ میں سال رواں کی مس جرمنی چھلانگ لگا کر ہمارا استقبال کرے گی اور وفور شوق میں ہمیں لپٹ جائے گی ہمیں اپنے منہ سے لپ سٹک چھڑانی مشکل ہو جائے گی ہمیں اس وقت تک آزاد نہیں کرے گی جب تک ہم اس کی تمام مرادیں پوری کرنے اور تمام فرمان بجا لانے کا وعدہ نہ کریں۔

مشکل یہ ہے کہ ہم لے دے کہ اردو ادیب ہیں اور اس بی بی نے اس زبان کا نام پہلی بار سنا ہے ہماری ذات کسی کام تو آئے صفات تو بالکل بیکار ہیں افسوس کیا زمانہ آ گیا لوگ صورت کو دیکھتے ہیں سیرت کو نہیں سنا ہے پرانے زمانے میں سیرت کو دیکھنے کا رواج تھا ہمیں پرانے زمانے میں ہونا چاہئے تھا ہوٹل اچھا ہے فرنیکفرٹ سے بہت بہتر اور ایک کام دم ماڈرن ہم نے بی بی ویرونیکا سے جو ہمیں نیچے ہوٹل کے دفتر استقبالیہ میں ملتی ہیں کئی بار کہا کہ ہمارے کمرے میں بڑی اچھی اچھی چیزیں ہیں تصویریں ہیں مٹھائیاں ہیں شرابوں سے بھرا ریفریجرٹر ہے وہاں آؤ کرتا پاجامہ پہن کر دلجمعی سے باتیں کریں گے۔ لیکن وہ طرح دے جاتی ہیں جیسے خدا نخواستہ ہماری نیت خراب ہو رہی ہو خدا نخواستہ ہمیں اپنی پرانی نظم یاد آ رہی ہے۔

جس صورت کے پیچھے بھاگے ہاتھ نہ آئی خواب بنی
یا ساگر کی تہ کا موتی، یا نت، مہتاب بنی
ہاں نظموں کی کھیپ سے اچھی خاصی ایک کتاب بنی

ویسے بھوک اس بی بی کی بھی اچھی ہے ہم ابھی آلو ٹھونگ رہے ہیں ہوتے ہیں کہ یہ کھانے کا طباق صاف کر جاتی ہیں میٹھے کا آرڈر دے دیتی ہیں کافی کو ناپسند کرتی ہیں اس کی جگہ دائن پیتی ہیں ہم سوپ سے آغاز کرتے ہیں یہ بہر سے ہم سے شکایت کرتی ہیں کہ بھک رکھ کر کیوں کھاتے ہو خوب کھاؤ اور خوب پیو ہم نے کہا ہمارا ارادہ وزن کسی قدر گھٹا کر جانے کا ہے watch my figurei must کہنے لگیں فکر مت کرو میں تمہاری فیگر واچ کردوں گی ہم نے کہا ٹھیک ہے تم ہماری فیگر واچ کرو ہم تمہاری فیگر واچ کرتے ہیں ویسے وہ کریں نہ کریں ہم ہمہ وقت ان کی فیگر واچ کرتے ہیں بدن سبک اور چھریرا عمر کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے اندازہ اٹھارہ اور چالیس سال کے درمیان۔

برلن
۱۹ اکتوبر

آج شام ہم نے برلن کی اس سڑک پر جسے اپنے پرانے سفرنامے میں ہم نے شاہراہ کفرستان کا نام دیا ہے ایک لمبی سیر کی حتی کہ پاؤں میں کڑ گئے اور چلنے کی سکت نہ رہی یوں بھی سڑک وہاں کچھ بندسی ہوگئی تھی انڈر گراؤنڈ راستہ بن رہا تھا وہاں ایک لمبے تڑنگے لڑکے نے ہمیں ہیلو کہا ہم نے بھی ہیلو سے جواب دیا اب وہ بولا آر یو این امریکن بوائے ہم نے جی میں میں کہا بوائے تو خیر ٹھیک ہے ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے لیکن یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ ہم پر امریکن ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے پھر خیال آیا ہمیں نیگرو سمجھا ہوگا جرمنوں کی معلومات بس ایسی ہی ہوتی ہیں لیکن ہمارے انکار پر وہ بولا آر یو اے جرمن یہ حد تھی ہم نے جواب میں سر ہلا دیا تو بولا تم کوئی بھی ہو میرے ساتھ میرے بار میں چلو خیریت اسی میں نظر آئی تھیک یو کہ کر ہم وہاں سے لوٹ آئے آگے چلے ہوئے گرجا و ہم کرک کے پاس ایک لڑکے نے رستہ روکا اور کہا آپ کے پاس بیس پیسے ہوں گے یعنی بیس فینگ ہم نے کہا ہوں گے چنانچہ دے دئے بیس پیسوں سے اس کا کیا ہوگا اس سے اگلے چوراہے پر ہوٹل کے عین پاس ایک بی بی نے ہمارے ساتھ سڑک پار کرتے ہوئے کہا،

ہلو؛ آپ بتا سکتے ہیں یورو پا سنٹر کہاں ہے۔

ہم نے کہا، یہ سامنے یورو پا سنٹر ہی تو ہے،

بولی؛ اصل میں میں یہاں اجنبی ہوں میونخ کی رہنے والی ہوں اس نامراد شہر میں آج آئی ہوں کل چلی جاؤنگی۔

ہم نے کہا؛ میونخ بہت خوبصورت شہر ہے

بولیں تم کہا کے ہو۔

چھریرے بدن کی خوبصورت لڑکی تھی بغل میں چھا تا بظاہر طالب علم لگتی تھی ہم نے مصرع پڑھا تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں۔۔۔۔اما بعد اپنے بارے میں کچھ معلومات ہم پہنچائیں۔

کیا کرتے ہو؟

ہم نے کہا کچھ بھی نہیں کرتے ہم کچھ کرنے کے قابل کہاں ہیں
اب کہاں جارہے ہو
اپنے ہوٹل
ہیں ابھی سے ابھی تو بہت سویرا ہے ساڑھے گیارہ بجے ہیں تم بھی تنہا ہو میں بھی تنہا ہوں کہیں چلیں
ہم نے کہا کہاں چلیں دنیا دے اس نکڑے
بولیں یورو پا سنٹر میں معلوم ہوا ہم سے پتہ تجاہل عارفہ میں پوچھا تھا ایک کلب ہے جہاں striptisie ہوتا ہے وہ مجھے پسند نہیں کہیں چلیں جہاں سافٹ میوزک بج رہا ہو مجھے ایک جگہ معلوم ہے بس ٹیکسی لینی پڑے گی۔

طاعت رز ہد کا ثواب تو ہم جانتے ہیں لیکن وررت نے ہمیں پر سائی سے زیادہ بزولی عنایت کی ہے۔
اس لئے ہم نے کہا نا بی بی ہم تھک گئے ہیں ہمیں جا کر سونا ہے۔
جب اس بی بی نے دیکھا کہ ان تلوں نمیں تیل نہیں ہے تو جھٹ سے ہاتھ ملا کر خدا حافظ کہا اور اسی چوک کی طرف چل دی۔۔۔ ممکن ہے اسی کوئی اور سافٹ میوزک کا شیدائی مل گیا ہو۔
ہم نے نا کردہ گناہوں کی حسرتوں کے ضخیم رجسٹر میں اس کا نام البتہ لکھ لیا ہے مس ورسکا اصلا چیک آٹھ سال سے مقیم میونخ طرحدار خوش آواز عمر ۲۱۲۰ سال ملاقات نزد وہلم چرچ۔ مورخہ ۱۱۹ کتوبر ۱۷ ۱۹ء

اس رجسٹر ناموں کی کمی نہیں بلکہ اب تو لبا ب بھر چلا ہے میونخ کے ٹیکنیکل میوزیم میں زیر زمین کوئلے کی ایک دکان بنے ہئے ہے سرنگ در سرنگ اسی طرح ایک کان نمک کی بھی ان راستوں میں نہ آدم نہ آدم زاد نقول فردوس بیگم جھتے بندہ نہ بندے سی ذات ہووے وہاں ورنیکا کے ساتھ کوئی پون گھنٹہ کہیں نیم تاریکی میں کہیں اندھیرے گھپ میں جی میں کیا کیا خیال آئے اور کیا کیا وسوسے اٹھے، رسم دنیا بھی تھی دستور بھی تھا کان کے خاتمے پر ورونیکا نے نے کہا ویران اور عجیب جگہ ہے میں پہلی بار آئی ہوں میں تنہا تو کبھی نہ آتی تم ساتھ تھے اس لئے آ گئی۔
باہر سڑک پر آ کر ہم نے کہا اے بانو اب ہم تمھیں بتا دیں کہ تم زیر زمین زیادہ محفوظ تھی نہ تھی میرا جی چاہتا تھا کیا کیا کچھ۔۔۔۔۔۔ تھوڑی تفصیل بھی عرض کی شرارت سے ہنس کر بولیں،

at would not have been a very bad idea

خواجہ طاظم الدین مرحوم کے متعلق مشہور ہے کہ بات بات پر کہا کرتے تھے ہم بھی کتنے گدھے تھے وہ بھی نہیں تھے یہ ان کا انکسار تھا تکیہ کلام تھا بی بی

ورنیکا کی بات بھی سن کر ہماری زبان سے بھی بے اختیار نکلا۔۔ ہم بھی کتنے گدھے ہیں اس میں انکسار کو کچھ دخل نہ تھا۔

ہمبرگ
۱۲۱ اکتوبر

لیجئے ہم کل شام ٹھنڈے ٹھنڈے ہمبرگ پہنچ گئے برلن سے خط نہیں لکھ سکے ہوا یہ کہ ہمرا بڑا بول ہمارے سامنے آگے آیا میونخ میں ہم نے جو توقع باندھی تھی اس پر پانی پھر گیا تھوڑا بہت نہیں پورا بحرا وقیانوس برلن میں ہمارے اسقبال کو جو عفیفہ آئیں ان کو دیکھ کر ہم نے سوچا کہ واپس جہاز کی طرف لوٹ جائیں یا اس سے کہدیں کہ ہمارا نام ابن انشا نہیں ہے لیکن تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے یہ جرمن لوگ کبھی ہمارا دل جیت نہیں سکیں گے ان کو دل جیتنا نہیں آئے گا ذرا سوچئے جس شخص کے ساتھ یہ بی بی گائیڈ ہوں گی وہ کیسے پرو جرمن رہ سکتا ہے ہمیں وہ تمام ذیاتیاں یاد آ گئی جو ہٹلر نے محکوم قوموں پر کی تھی۔

میونخ والی بی بی کی عمر ہم نے اٹھارہ اور چالیس کے درمیان لکھ دی تھی لیکن جی چاہتا ہے کہ ان کو خوشخطی یعنی خوبصورتی کے نمبر دے دئے جائیں لہذا اسے اٹھارہ اور اٹھائیس کے درمیان سمجھئے بلکہ اٹھارہ کی طرف زیادہ اس برلن والی گائیڈ کی عمر بھی زیادہ طبیعت سے نہیں بتا سکتے تاہم موٹا سا اندازہ ہے کہ انتالیس اور چالیس سال کے درمیان کی ہوں گی بال گدھے کی بالوں کے رنگت کے اور عجب طرح بکھرے ہوئے بے ہنگم اس پر ہر تین منٹ بعد آئینہ دیکھتی ہیں ہر پانچ منٹ کے بعد لپ اسٹک لگاتی ہیں چاکلیٹ کا بھی شوق ہے اور پیپر منٹ کا بھی۔۔۔ جامہ زیب ایسی ہے کہ کپڑا بھی اچھا کتنا ہو ان کے بدن پر لٹکنا شروع کرتا ہم تو کوشش کرتے ہیں کہ ان کی چرف دیکھیں ہی نہیں نظریں جھکائے رہتے ہیں ایک بار ان صاحبہ نے اعتراض بھی کیا ہم نے یہ کہ کر مطمئن کر دیا کہ یہ مشرقی تہذیب کے تقاضے ہیں حیا ہم لوگوں کی فطرت ثانیہ ہے میونخ والی ویرونیکا کے چہرے کو البتہ ہم اتنا دیکھتے تھے کہ راستے میں جا بجا ٹھوکر کھاتے تھے وہ ٹھوکر البتہ نہیں کھائی جو کھانے کی تھی۔

ہمارا خیال ہے برلن کی بی بی کے معاملے میں دونوں طرف تھی آگ برابر لگی تھی اگر ہم خوش نہ تھے تو اس کے لئے بھی کوئی خوش ہونے کی وجہ نہ تھی اس کی امیدوں پر بھی تو اوس پڑی اس نے سمجھا ہوگا کہ کوئی بڑا ہی ڈان ژان آ رہا ہے کیا عجب کوئی بگڑا مہاراجہ ہو گلے میں سچے موتیوں کی مالا اور سر پر پکٹ اپنی طلسمی اچکن چمکاتا جہاز سے اترے جب ڈالروں اور پونڈوں سے لبا لب بھری وغیرہ لیکن اس وقت اس کے نقطہ نظر سے ہمیں دلچسپی نہیں دوسری بی بی کے ساتھ ہم فوراً ان کے کرسچین نام سے مخاطت شروع کر دیتے تھے اور ان کو اپنا مسلمان نام بتا دیتے تھے کہ فقط پیارے کہ کر بلانا کافی ہے لیکن ان کو ہم نے پورے احترام سے ہمیشہ مسز فلاں ہی کہا برلن سے روانگی کے روز بار بار فوٹو گرافر کو فون کرتی رہیں ہم نے کہا کاہے کو بولیں ہماری ایک اکٹھی تصویر ہونی چاہئے ہم نے کہا ہم نامحرموں کے ساتھ تصویر کھنچوانے کے قائل نہیں ہماری تہذیب میں اس کی ممانعت ہے۔

ہمبرگ ایرپورٹ پر ہم جس قسم کی لڑکی اپنی پذیرائی کے لئے چاہتے تھے وہ باہر جنگلے کے پاس موجود تھی اوع منظر معلوم ہوتی تھی ہم سیدھے اس کے پاس گئے کہ ہمیں پہچانے گی اور اہلا وسہلا کہہ کر گلے میں باہیں ڈال دے گی۔۔۔ عین اسی وقت مسٹر کیدلین نے ہمرا ہاتھ تھام کر گتن تاگ کہا اور کہا کہ ہمبرگ میں یہ بندہ آپ کے ہمرکاب رہے گا۔

اس وقت ہم نے جو گہرا سانس لیا۔۔۔۔۔۔ جانے وہ مایوسی کا تھا یا اطمینان کا

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

پھر وہی لندن پھر وہی ہم

پھر وہی لندن پھر وہی ہم لندن ہماری کمزوری ہے لندن سے آتے ہی ہم لندن کے لئے nostalgic ہوجاتے ہیں ہم گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر اور صحرا صحرا کی خاک چھان کر اور پھانک کر لندن پہنچتے ہیں تو کمر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں مانوس لوگ مانوس گلیاں یاد آتی ہیں جوانی جن میں کھوئی تھی ہم نے نہ سہی ہمارے دوستوں نے سہی سب سے بڑی بات یہ کہ مانوس زبان جرمنی اور فراض ہمیں اشاروں کی زبان میں بات کرنے بلکہ رازی کے نکتہ ہائے دقیق بیان کرنے کی عادت ہوگئی تھی یہاں بھی شروع میں اشاروں سے کام چلانا چاہا مخاطب نے انگریزی بولنی شروع کی تب یاد آیا کہ ہم تو اپنے وطن میں ہیں۔

ہاں سکے کا مسئلہ ہمیں ضرور پیش آیا انگلستان والوں نے ہمارے پچھلے سفر اور اس سفر کے درمیان اپنے سکے بدل دئے ہیں یعنی اعشاریہ کر دیتے ہیں شلنگ کو تو بالکل نکال باہر کیا ہم شلنگ کا نام لیتے تھے تو لوگ پوچھتے تھے کہ شلنگ کیا ہوتا ہے اس کے علاوہ پینی ہوگئی اور پونڈ بوقوف ہوگئی یعنی جو پینے ایک انی کی ہوتی تھی اب وہ ڈھائی آنے کی ہے اور پونڈ میں ہم اس چیز کو ہم نقط دورے سے دیکھ سکتے ہیں جسے پہلے خوید سکتے تھے پھر ہم جو پونڈ کی قیمت اپنے سکے کے حساب سے گنتے ہیں پہلے نئے پنس کو پرانے شلنگوں میں بدلتے ہیں پھر شلنگ کو روپے آنے پانی میں منتقل کر دیتے ہیں کہ قیمت کا اندازہ ہوجائے اور بعض اوقات اس میں اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ دکاندار کا سودا بک جاتا ہے اور ہمیں سکندر کی طرح دکان سے خالی ہاتھ آنا پڑتا ہے یہ نئے سکے بھاری بھی بہت ہیں خصوصا ہم ایسے ہلکی جیب والے کو تو بہت بھاری معلوم ہوتے ہیں پانچ سات پونڈ کی ریزگاری کے لئے کسی نہ کسی جانور کی ضرورت پڑتی ہے بھاری ہونے کا ایک فائدہ ہے کہ اس سے کبھی کبھی جان بچ جاتی ہے آئرستان کے ہنگاموں میں ایک روز لندن زیری میں ایک شخص کے گولی لگی لیکن اس کو کوئی گزند نہ پہنچا گولی جیب میں دس پینی کے سکے پر لگی اور اوراچٹ کررہ گئی نتیجہ یہ نکلا کہ جس کے پاس پیسے ہے اسکا کوئی بھی ڈر نہیں۔

یوں تو ہم ایسے آدمی کو جس کے پاس پیسے نہ ہو یا بہت کم ہوں ہر شہر مہنگا معلوم ہوتا ہے لیکن لندن اب واقعی مہنگا ہے اس پر لوگوں کی مہمان نوازی کا یہ حال ہے کہ ہمارے آتے ہی پوچھنا شروع کر دیا میاں کب واپس جاؤ گے ہم نے کہا ہمرا آنا کراں اتنا گزرا۔

جواب ملا نہیں یہ بات نہیں تم ملک کی خدمت کا دعوی رکھتے ہو آج پھر ملک پر مصیبت پڑی ہے تمہارے ملک کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے کہ یہی بات ہم نے عالی صاحب سے کہی بولے اپنے ملک سے زیادہ خود مجھے اپنی ضرورت ہے لیکن خیر پیسے ختم ہوتے ہی چلا جاؤنگا۔

لندن کو دیکھا ہے تو اس کے مضافات کو دیکھنے یوں معلوم ہوتا ہے کہ لندن انگلستان میں نہیں بلکہ انگلستان لندن میں واقع ہے ہم جس دوست کے ہاں ٹھرے وہاں چار روپے دے کر ٹیوب یعنی زمین دوز ریل

میں جاتے ہیں ریل سے اتر کر ایک روپے میں بس لیتے ہیں اس کے بعد کوئی پون میل پیدل چلتے ہیں اگر زمین دوز ریل نہ ہو جس کے راستے میں ٹریفک ٹریفک حائل نہیں تو یہ سفر بس وغیرہ میں ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کا ہے ہاں مرکزی لندن جیسا تھا ویسا ہی ہے اور اور اب ہم بھی اسی طرح راستہ بھولتے ہیں جس طرح پہلی بار جانے پر بھولتے تھے بشرطیکہ کہ نقشہ نہ دیکھیں دراصل ہمیں سمت کا اندازہ نہیں ہوتا اگر کسی بغلی گلی سے آکسفورڈ اسٹریٹ پر آکر اتریں یا آکسفوڈ ر سرکس کے اسٹیشن سے باہر آئیں تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ ماربل آرچ اس طرف کو ہے یا مخالفت سمت میں کئی بار تو آدھ میل غلط سمت میں جا کر واپس آنا پڑا۔

آکسفورڈ اسٹریٹ پر ہرے رام کرشن والا تماشا اب بھی جاری ہے کچھ انگریز بہادر سر منڈئے چوٹیاں رکھے گلوں میں جنوڈالے اور ہندووانہ دھوتی پہنے جس کا پلو اڑسا رہتا ہے ڈھول بجائے جھانجھنیں چھنکائے اور منتر گاتے ٹھمکتے، ناچتے، کاتے چکر کاٹتے رہتے ہیں دو تین تو مستقل ہیں لڑکیاں بھی لمبے لمبے جھبر جھالے پہنے کھڑتا ہے اس لئے ان میں شامل ہو جاتی ہیں لندن میں اس قسم کے ڈھونگ بہت ہیں سواری لوگ یوگا والے پہلے لوگ ٹھٹک کر دیکھتے ہیں اب دیکھتے بھی نہیں۔

ہم ہر سال اخبار میں پڑھتے تھے کہ لندن میں کڑاکے کی سردی ہوتی ہے لوگوں کی آئس کریم بن جاتی ہے دھند یعنی log ہوتی ہیں اور دھواں دھار دھند یعنی smog بھی ہوتی ہے جسے آپ ہاتھ سے پکڑ سکتے ہیں دیکھنے ہم بھی آتے ہیں پر تماشا نہ ہوا اب دیکھئے نومبر کے اتنے دن گزر گئے وہ دھوپ نکلتی ہے کہ کوٹ سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے الا ایسے زور کی ہوا چل رہی ہے جو شکسپیر کی یاد دلاتی ہے۔

چل اے ہوائے زمستاں چل اور زور سے چل
تو سرو مہدی احباب سے زیادہ نہیں

اتفاق سے ہم جو منی میں بھی ہم نے گرمی اور دھوپ پانی اور فرائض میں بھی دھوپ کھائی انگلستان سے سردی کی امید باندھی تھی کہ ہم گرم ملک والوں کو خوشگوار معلوم ہوتی ہے لیکن اس پر بھی پانی پھر گیا بلکہ یوں کہئے کہ دھوپ پھر گئی ارے بھائی گرمی اور دھوپ ہی درکار ہے تو ہم لوگوں کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی یہ تو ہمارے ہاں بھی بہت ہوتی ہیں بلکہ لوگوں کے چہرے پر کھلی رہتی ہیں ہمارا ایک شعر ہے جانے کس عالم میں کہا ہوگا اور کس کے لئے کہنا ہوگا۔

لکھ پر روپ سے دھوپ کا عالم بال اندھیری شب کی مثال
آنکھ نشیلی بات رسیلی، چال بلا کی بانکی ہے۔

دکان اپنی بڑھا گئے

www.HallaGulla.com

پچھلے سال ۱۹۷۰ء میں ایک صبح کے سارے اخباروں میں یہ نوید تھی۔ کہ لندن میں ایج ویر روڈ کے مابل روڈ والے ،ناکے پر ایک طرفہ دوکان کھلی ہے جس کا نام سمرز ہے۔ یہ نام مس اپنے سمرز نامی ایک ۲۹ سالہ دوشیزہ نے اپنے نام پر رکھا ہے، سِکس شاپ (six shop) قریب قریب بھی اخباروں نے جن میں ٹائمز بھی شامل ہے۔ لمبے لمبے کالم لکھ کر لوگوں کی آتش شوق کو بھڑکایا۔ ہم ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں۔ ہماری طبیعت میں آگ وغیرہ نہیں ہم جو پہنچیا یک حق کے متلاشی اخبار نویس کے طور بدل گئے تھے تا کہ مغرب کی بے راہ راوی کے اس نئے مظاہرے کو دیکھ کر اس پر نفرین کر سکیں اس پر ایک عبرت بھرا اور نصیحت بھرا کالم لکھ سکیں اور مشرق کی حیا اور عفت کی روایات کو سراہ سکیں۔ ہمارا بس چلتا تو ہم اس بی بی کو وہیں کھڑے کھڑے نصیحت کرتے اور معاشرے میں عورت کے صحیح مقام سے آشنا کرتے لیکن وہاں ہجوم کچھ زیادہ تھا ہم نے طے کیا کبھی اس سے تنہا بات کرنے کا موقع ملا تو تفصیل سے سمجھائیں گے۔ اتنے سارے لوگوں کے سامنے کسی کو ملامت کرنا یوں بھی بھلا معلوم نہیں ہوتا۔

دیکھا کہ کچھ بھیڑ اندر ہے کچھ بھیڑ باہر ہے۔ باہر کوئی دو سو آدمیوں کی لائن لگی ہو گی کیونکہ دس دس آدمیوں کو اندر جانے کا ازن ملتا تھا۔ ہم گھنٹہ بھر تو کھڑے رہے لیکن جب وقت قیام آیا تو سجدے میں گر گئے یعنی باری آنے سے پانچ منٹ پہلے دکان کے شیشے میں سے مطر دیکھ کر لوٹ آئے ہمیں ایک کام یاد آ گیا تھا۔ جیسا کہ عام موقع پر یاد آجایا کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم مشرق مکینوں کیلئے جن کے ہاں کوک شاستری اور اکسیری دواخانوں روایات بہت پرانی ہے۔ وہاں جی اٹکانے کو خاص چیز نہ تھی شیشوں پڑوں کچھ دوائیں تھیں۔ جن کے استعمال سے شباب رفتہ لوٹ آتا ہے نامرد مرد، مرد جوان مرد ہوتا ہے یا پھر کچھ کتابیں تھیں سات، سہلوں کی داستانوں کی قسم کی جو یوں بھی سوہو کے نواحات کی دکانوں میں کھلے عام مل جاتی ہیں اس خوش جمال اور خوش تقریر بی بی نے جو تقریر افتتاحی موقع پر کی وہ ہم نے اخبار میں پڑھ لی تھی انہوں نے افتتاح پر جو جام تجویز کیا وہ اس نام سے تھا جنس محبت اور نشاط و لذت کے نام شادی شدہ لوگوں کے لئے بھی اور بلا شادی لوگوں کے لئے بھی کسی نے پوچھا بلا شادی سے کیا مطلب ہے مس سمرز نے اپنے گھنے سرخ بالوں کو بکھراتے ہوئے کہا میں مکمل جنسی آزادی کی قائل ہوں زندگی زندگی ہے اور محبت محبت ہے زندگی اپنی جگہ محبت اپنی جگہ۔

فرمایا مس اپنے سمرز نے کہ میں ایک دفتر میں سیکریٹری تھی جب عمر عزیز کے ۲۷ سال گزر گئے تو جی میں آئی کہ کچھ کرنا چاہیئے کچھ کر کے دکھانا ہے جس سے نام روشن ہو اتفاق سے میرا جرمنی جانا ہوا میں نے بیٹے اوسے usse beate نامی کمپنی کی دکانیں دیکھیں معلوم ہوا پچھلے سال ان مصنوعات کے خوریوں کی تعداد ۳۰ لاکھ تھی مجھے خیال آیا کہ انگلستانوں والوں کا بھی بھلا ہونا چاہیئے اب اس دکان میں جرمنی کے دیگر آلات اور مصنوعات بھی ملیں گی جن کا مقصد وہی ہے جو دواؤں کا ہے مس صاحبہ نے فرمایا یہ ساری چیزیں آپ کو شہر کے مختلف کونوں کھدروں کی دکانوں میں ضرور مل جائیں گی لیکن بھرے بازار میں ایسی فیشن ایبل جگہ پر پہلی بار ان کی دکان گی

میرا ارادہ شہر کے بڑے بازاروں میں ایسی ایسی پچاس دکنیں کھولنے کا ہے دکان کے لئے انھوں نے سپر مارکیٹ کا لفظ استعمال کیا ایک کتابچہ بھی انھوں نے چھاپ رکھا ہے جس کے سامنے کے سرورق پر ایک برہنہ جوڑا اور پشت کے ٹائیٹل پر ان کے کپڑے ہیں جو تصویر کھنچواتے وقت اتارے گئے تھے اندر اس کے بیشک دواؤں کی فہرست بھی ہے وہ خود اس کمپنی کی مینجنگ ڈائرکٹر ہیں اور ان کے منگیتر ان کے مددگار ہیں اور تو سب کچھ ہماری سمجھ میں آ گیا لیکن یہ نہ آیا کہ مکمل جنسی آزادی میں منگیتر کی کیا جگہ ہوتی ہے شاید مطلب بوائے فرنیڈ ہو۔

اپنے سمرز کی دکان کو ہم فراموش کر چکے ہیں کہ آج یہ خبر سامنے آئی۔

sex shops firm owes اپنے سمرز لمیٹڈ نے جو جنسی دکانوں کے سلسلے کی مالک ہے دیوالہ نکال دیا ہے اس فرم کے سر اب تک ساٹھ ہزار پونڈ قرضہ ہو چکا ہے اب یہ کاروبار بند ہے وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔

وہ بھی خیریت سے ہیں ہم بھی

کراچی میں ہم ہر کوئی یہ پوچھ رہا ہے کہ لندن سے آئے ہو عالی جی کی سناؤ کہ کہاں ہیں کس طرف کو ہیں کدھر کو ہیں اگر کچھ نہیں کر رہے تو کیوں نہیں کر رہے اور کچھ کر رہے ہیں تو کیا کر رہے ہیں بعضوں کا تو یہ خیال ہے کہ ہم گئے ہی انھیں منانے تھے کہ آجاؤ غصہ تھوک دو قوم ک تمہارے غم میں برا حال ہے پٹخنیاں کھا رہی ہے وغیرہ گزارش ہے کہ عالی صاحب لندن میں ہیں اور وہی کچھ کر رہے ہیں وہ بھی قوم کے درد سے بے حال ہو رہے ہیں ہم بھی ملت کے غم میں نڈھال ہو رہے ہیں وہ کالموں میں دشمنوں کو للکار رہیں ہم ریڈیو پر دچمن کو للکار رہے ہیں کہ اے برہمنی سامراج ٹھہر تو سہی تیری دم میں نمدہ وطن کے سجیلے جوانوں کے لئے ان کے پاس بھی نغمے ہیں ہمارے پاس بھی خندقیں نہ وہ کھود رہے ہیں نہ ہم کھود رہے پہیں بندوق کے قریب جاتے ہیں وہ بھی ڈرتے ہیں ہمیں بھی پرہیز ہے القصہ وہ بھی خیریت سے ہیں ہم بھی خیریت سے ہیں البتہ ایک کام ہے جو ہم کر رہے ہیں اور وہ نہیں کر رہے ہیں اور ذخیرہ تروزی نہیں کر رہے ہیں انگریزوں کے درمیان رہتے ہیں اور ان کے ہاں جنگ یا ایمرجنسی کے دنوں میں ایک قسم کی باتوں کا رواج نہیں یہ سچ ہے کہ ہمارے حساب سے سے اہل فرنگ میں نیکی اور نیک چلنی کا فقدان ہے کیونکہ شراب اکثر پیتے ہیں گوشت بھی حلال یعنی ذبحے کا نہیں کھاتے پردے کا بھی چنداں خیال نہیں دکانداروں کے ماتھوں پر نماز کے گٹھے اور ہاتھوں میں تسبیح بھی نہیں یعنی ان کی عاقبت کا معاملہ مشکوک ہے لیکن ملاوٹ کا کاروبار وہاں نہیں ہے دودھ، دہی، مکھن خالص ملتا ہے چائے کی پتی بھی چنے کا چھلکا نہیں ہوتا نہ ہلدی اینٹیں ہوتی ہیں چینی دکانوں سے پلک جھپکنے میں غائب نہیں ہوتی نہ آٹا نہیں جاتا ہے حتی کہ لوگ مینکے ڈھکنے تک نہیں چراتے۔

پیارے یہ ہمیں سے ہو، ہر کارے دہر مردے

پیرس سے وہ ہمارے پیرس پہنچنے سے پہلے چل دئے تھے انگلستان میں ہم نے عالی صاحب کو جا پکڑا بغل گیرے ہوئے ہم نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں کیسی ہمدم ریرینہ سے مدت بعد ملنے ک اثر ہونا لازمی ہے، ہم نے کہا کوئی بات نہیں اب ہم یہیں رہ جائیں گے تم کو اداس ہونے نہیں دیں گے انھوں نے اس امکان سے خوف زدہ ہو کر کہا نہیں یہ بات نہیں ہم نے کہ پھر ملک کے حالات کا خیال آرہا ہوگ آپ کے کالموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی حالت واقعی تسلی بخش نہیں مادی اور اخلاقی لحاظ سے اصلاح کی بڑی گنجائش ہے لیکن اس پر رونے دھونے سے کچھ نہیں بنتا حوصلہ رکھو نیپکن سے آنسو پونچھ کر بولے یہ قصہ بھی نہیں بات یہ ہے کہ میں باورچی خانے میں کھڑا پیاز کاٹ رہا تھا ہم نے کہا وہ کیوں بولے بولے کو بھی گوشت میں ڈالنے کے لئے کھانا کھا کر جانا ہم نے کہا خود پکائیے گا بولے دیکھتے جاؤ بلکہ اپنی کرسی باورچی خانے میں لے آؤ۔

ہمارے عالی صاحب جن کو یہاں ہر کوئی بیکار آدمی سمجھتا ہے ولایت جا کر کام کے آدمی بن گئے ہیں ہم ایک دور ایبں ان کے سایھ ایک ہی مکان کی چھت کے تلے رہے ہیں ہم نے انکو آدھا وقت وطن کی فکر میں

غلطاں اور آدھا وقت امور خانہ داری میں مصروف پایا کشیدہ کاری تو خیر انھوں نے نہیں سیکھی لیکن کھانا بڑے سگھڑاپے سے پکاتے ہیں واضح رہے کہ ولایت میں بیروں، خنساروں، نوکروں، چاکروں، مامئوں، اصیلوں اور آبداروں، خاصداروں قسم کی چیزیں گھروں میں نہیں ہوتی ہر شخص آپ ہی خادم آپ ہی مخدوم ہوتا ہے اپنے گھر کے جمعدار کے فرائض تک خندہ پیشانی یا غیر خندہ پیشانی سے خود سرانجام دیتا ہے اپنی قمیض اور موزہ بنیان خود دھوتا ہے اپنا آلو گوشت خود پکاتا ہے وہ اپنا انڈہ خود تلتا ہے اپنا انڈہ سے ہماری مراد ہے اپنے لئے انڈا کیونکہ ولایت جا کر آدمی کتنا ہی بدل جائے اتنا بھی نہیں کہ ابڈے دینے لگے ہمارا ابھی یہی خیال تھا کہ عالی صاحب شعر لکھنے کے علاوہ کسی کام کے نہیں اور شعر لکھنا بھی کونسا کام ہے ہمارے ملک میں ہر کوئی لکھ لیتا ہے اور لکھتا ہے ہاں کھانا پکانے کو ہم بلکہ ہنر جانتے ہیں اور جس طرح کا میں ہو کمال اچھا ہے یورپ نے ساری ترقی ہنر کی وجہ سے کی ہے۔

ہمیں ولایت میں اجاگر احساس ہوتا ہے کہ ہمارا نظام تعلیم کتنا ناقص ہے لوگ دفع الوقتی کے لئے ڈگریاں لے کر گھر میں بیٹھ جاتے ہیں وہاں اوائل تعلیم ہی میں ٹسٹ کے ذریعہ ہر شخص کی طبعی صلاحیت اور رجحان کو جانچتے ہیں ہمارے ہاں کی طرح نہیں کہ جو شخص اچھا خانساماں بن سکتا ہے اسے شاعری پر مامور کر دیا اور جو اچھ شاعر بن سکتا ہے اس کے ہاتھ میں کڑچھا دے کہ چل دیگ پکا اور بگھار لگا واضح رہے کہ ہم جو عالی صاحب کے ہاتھ کے کھانے کی تعریف کر رہے ہیں انکی شاعری کی خوبوں سے منکر نہیں وہ شاعری بھی اچھی کرتے ہیں۔

ولایت میں یہ بات البتہ ہے کہ ہر کام بجلی سے یا مشین سے ہوتا ہے چولھا بجلی سے چلتا ہے کپڑے مشین سے دھلتے ہیں گھر کی صفائی بھی مشین سے ہوتی ہے ہمارے عالی صاحب اپنے کمرے میں جھاڑو لگاتے ہیں وہ بجلی ہی کی جھاڑو ہے یہ سارے کام کر کے اور پلیٹیں دھو کر آدمی نہاتا ہے اور نہا کر کپڑے سے ٹب کو خود ہی صاف کرتا ہے اگر اسے صاف کرنے کے عمل میں پھر گندہ ہو جائے تو پھر نہا سکتا ہے اور پھر دوبارہ ٹب صاف کر سکتا ہے کپڑا اس عمل میں گندا ہو گیا ہے تو اسے واشنگ مشین میں ڈالئے اور دھکیلئے بے شک اس سے مشین گندی ہو جائے گی لیکن اسے اسی کپڑے سے صاف کیا جا سکتا ہے اور دوبارہ اس اس کپڑے کو اسی نشین میں دھویا جا سکتا ہے بعض لوگ تو عمر بھر یہی کرتے رہتے ہیں ہاں نہ کام کرنا کسر گنا جاتا ہے نہ اپنا سامان خود اٹھانا نہ بس میں یا ٹیوب میں بیٹھنا مزدوری اس طرح نہیں دی جاتی جس طرح غریبوں کو زکوۃ دی جاتی ہے نہ سیٹھ اکڑ کہتا ہے ارے ہمارے قدم چومو ہماری حبالوطنی دیکھو ہم لوگوں کو ایمپلائمنٹ فراہم کرتا ہے۔

آوارہ گرد کی واپسی

www.HallaGulla.com

مکّے گئے ، مدینے گئے ، کربلا گئے ، جیسے گئے تھے ویسے ہی ہر پھر کے آ گئے یہ ہم اپنی بات کر رہے ہیں کہ پیوس ، برلن اور لندن کی کوچہ گردی کر کے اور بتان افرنگ کا کچھ نہ بگاڑ کر وہیں لوٹ آئے ہیں جہاں سے چلے تھے لیکن ہم اپنی قوم سے الگ تھوڑا ہی ہیں وہ بھی تو ہر چند برس بعد لوٹ کر وہیں آ جاتی ہیں جہاں سے چلی تھی الیکشن آئین جمہوریت وغیرہ کا کام ہمارا کل وقتی کام ہو گیا ہے اس چکر میں مادی ترقی بے شک ہم نے زیادہ نہیں کی کیونکہ ایک تو مادی سے الحد وغیرہ پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے دوسرے چنداں ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ جب چاہیں جس سے چاہیں ہم ایڈ یعنی امداد لے سکتے ہیں ہاں جمہوریت اور آئین سازی میں ہم نے وہ مہارت بہم پہنچائی ہے کہ اگر لکھوائے کوئی ان کو خط تو ہم سے لکھوائے باقی قومیں ایک آدھا آئین بنا کر بیٹھ جاتی ہیں انگلستان والے ابھی تک میگنا کارٹا سے کام چلا رہے ہیں اور امریکہ کو بھی جو ہر سال کاروں کے نئے ماڈل نکالتا ہے ایک سے زیادہ آئین بنانے کی توفیق نہیں ہم کو نوزائیدہ مملکت ہونے کے باوجود اب تک تین آئین بنا کر پھینک چکے ہیں اور مزید کی تمنا رکھتے ہیں خیر یہ تو ہم اپنی آوارہ گردی کی ترنگ میں کہیں کے کہیں نکل گئے مقصود کلام یہ ہے کہ اپنی قوم کی بے لوث خدمت کے جذبے نے ہمیں لوٹنے پر مجبور کر دیا ہے اس کے علاوہ پیسے بھی ختم ہو گئے تھے۔

بعض لوگوں کو یہ بھی گمان ہوا کہ ہم اندرا جی کے پیچھے پیچھے گئے تھے پیچھے پیچھے کا وہ مطلب نہیں جو آپ سمجھے ہیں ہمیں اپنے چال پر کبھی شبہ نہیں ہوا بایں ہمہ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ ادھر وہ وطن سے نکلیں ادھر ہم وطن سے نکلے جہاں جہاں وہ پدھاریں ہم نے بھی قدم رنجہ فرمایا اور جس تاریخ وہ دلی واپس پہنچیں اسی تاریخ کو ہم نے کراچی کے ہوائی اڈے پر نزول اجلال کیا یہ سچ ہے کہ انکا جانا زیادہ مشہور تھا ان کے متعلق ولایت کے اخباروں میں بہت کچھ چرچا ہوا کہ کس سے لیں کس سے بات کی کس سے کیا مانگا اور کس نے کس طرح دھتا بتایا ہم بھی لوگوں سے ملے اور کچھ نہ کچھ بات کی ہم نے بھی بعضوں کی طرف حسن طلب کی نظر کی اور ہمیں بھی دھتا بتایا گیا لیکن ہماری کوئی بات اخبار میں نہیں آئی اس لئے کہ ہم ہمیشہ نام و نمود اور شہرت سے دور بھاگئے خود نہ بھاگے تو لوگ بھگا دیتے ہیں۔

یہاں آن کر یہ دیکھ کر البتہ خوشی ہوئی کہ ہمارے ہدایت نامے پر ہمارے پیارے ہم وطنوں نے حرف بحرف عمل کیا ہے اس کی خلاف مرضی کی کوئی مثال ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئی ناظم آباد کی سڑک پر جو پتھر پڑے تھے اب بھی پڑے ہیں بلکہ اور پڑھ رہے ہیں ہمارے گھر کے ساتھ جو کوڑے کا ڈھیر ہے اب بھی وہی ہے بلکہ برابر پھیل رہا ہے یہ بات نہیں کہ کارپوریشن کے حکام صحت پڑھے لکھے نہیں یا جنگ اخبار نہیں پڑھتے ضرور ان کو ہماری خاطر منظور ہے ورنہ تو اس شہر میں یہ عالم ہے کہ ادھر کوئی چیز رکھی ادھر اس کا

صفایا ہوا یا پوشنگر کے سامنے جو قبرستان ہے جو کنواں نما ہول ہے اس پر بھی ڈھکن نہیں لگا کیونکہ ہم منع کر گئے تھے ہاں ایک آدھا آدمی کو جو اس میں گر کر مرنا تھا اور قبرستان کے قرب سے فائدہ اٹھانا تھا یہ بات نہیں ہوئی لیکن اس میں کارپوریشن کے محکمہ صحت وصفائی کو الزام دینا درست نہ ہوگا یہ اس نے مرنے والے کا انفرادی فعل ہے۔

رمضان شریف کے بارے میں بھی ہماری ہدایت کا کما حصہ اثر ہوا کہ لوگ نیک مسلمان بن گئے ہیں اور شعار اسلامی کا خیال رکھنے لگے ہیں جو ہوٹل چوپٹ کھلا ہو اس کی طرف کوئی رخ بھی نہیں کرتا جم غفیر روزے کا احترام کرنے والے پردہ نشین ہوٹلوں میں ہوتا ہے شراب خانے بھی بند ہیں پر مٹ پر پینے والے بیمار اور مایوس العلاج لوگ گھروں میں بیٹھ کر پیتے ہیں ہم صرف کراچی کی حد تک ذمہ دار ہیں داؤد کے متعلق اخبار میں کسی نے شکایت کی ہے کہ وہاں شراب خانے کھلے ہیں یہ بری بات ہے رمضان میں بے ایمانی کرنا اور جھوٹ بولنا بھی ٹھیک نہیں رمضان شریف میں بدمعاشی کرنا بھی ناجائز ہے نائٹ کلبوں میں عریاں ناچ گانا بھی رمضان کے مبارک مہینے میں نہ ہونا چاہئے حاشاد کلا ہم ان میں سے کسی چیز کے خلاف نہیں فقط یہ کہ رہے ہیں اہل دین دانش کی طرف سے ایک مہینے کے تقدس پر اتنا زور دیا جاتا ہے اور رمضان میں برائیوں سے بچنے کی اس طور پر تلقین کی جاتی ہے کہ لا محالہ خیال ہوتا ہے باقی گیارہ مہینے میں کچھ کر لیا جائے تو چنداں ہرج کی بات نہیں سال بھر میں ایک مہینہ نیک ہونے کے لئے کافی ہے خضوع وخشوع سے جتنا قرآن پڑھنا ہے وہ بھی اسی مہینے میں پڑھ لو پھر اگلی رمضان تک کی چھٹی واقعی لوگوں نے اپنے اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی بجائے کہ اس میں ذرا محنت پڑتی ہے اسلام کو اپنی زندگی کے ڈھانچے میں ڈھال لیا ہے شاباش جیتے رہو۔

جاپان ہانگ کانگ

جولائی ۱۹۷۶ء

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

وطن کی آگ دیس کی برکھا

ہم نے جب ملک سے باہر قدم نکالا تو یہ کہاں گمان کیا تھا کہ واپس آئیں گے اپنے شہر کو جس سے ہمیں بمنزلہ عشق لگاؤ ہے یوں لہولہان پائیں گے جس شہر کے لئے ہم نے کبھی لکھا تھا۔

مری حیرتوں کا روما
مری حسرتوں کی دلی
مری وحشتوں کا صحرا
مرا ابلدہ کراچی
مجھے اور کون جانے
ہیہ دے تو دے گواہی
کہ حسین صورتوں سے
یہاں ہر گلی بھری تھی۔۔۔۔۔وغیرہ

جس روز ہمارے صدر محترم ہندوستان کی وزیر اعظم کے ساتھ قرار داد شملہ پر دستخط کر رہے تھے ہمارے قدم بھی نئی دہلی کی سرزمین پر تھے شہر میں نہ سہی نئی دلی کا ہوائی میدان اور ٹرانزٹ لاؤنج یعنی آگے چلیں گے دم لے کر بہر حال بھارت کی سرزمین ہی کا حصہ ہے،

اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھکو
اترا ترے کنارے جب کاروا ں ہمارا

ہمارے شاعر کا یہ شعر پرانے اور بھلے وقتوں کا ہے اقبال نے اس کارواں کو یہاں اترتے تو دیکھا تھا یہاں سے کوچ کرتے نہیں دیکھا تھا۔

ٹوکیو میں ہم پہلی صبح سو کر اٹھے حالانکہ اس کے سات بجے کا مطلب یہاں تین بجے شب تھا تو اخبار میں شملے کی بیل منڈھے چڑھنے کی نوید تھی جس کا کانفرنس میں ہم تھے اس میں ایشیاء کے چودہ اور ملک تھے سب نے خوشی کی قرار داد پاس کی اور اس میں ہمیں اور ہندوستان کے نمائندوں کو مبارک باد دی اس سے اگلے روز کا اخبار کوریا کے دونوں حصوں میں یکجائی کے امکان کی خبر لایا اب سب نے کوریا کے نمائندے مسٹر ہاب کو بدھائی دی اس سے اگلا روز جاپان کے لئے خوشی کا دن تھا کہ مسٹر تناوزیا عظم ہو گئے جن کی آزاد خیالی سے چین کے ساتھ تعلقات استوار ہوئے نظر آئے ہر روز کی تازہ نوید سے ہم نے یہ خیال کیا کہ یہ ہمارے ملک سے باہر ہونے کی برکت ہے ہم اپنی حکومت کو لکھنے والے تھے کہ ہمیں ملک سے باہر ہی رکھے تو اچھا ہے اس میں ملک و قوم بلکہ ساری دنیا کا بھلا ہے لیکن اگلا سنیچر جو آیا تو کراچی کے ہنگامس کی خبر لایا ٹکیو میں انگریزی کے تین صبحگاہی اخبار ہیں

جاپان، ٹائمز، ڈیلی منی اچی اور ڈیلی یو موہاری جسے ہم جمہوری کے نام سے یاد رکھتے ہیں پاکستان کا ریڈیو تو یہاں سنائی دیتا تھا البتہ ہم انہی اخباروں کے صفحوں میں تازہ خبر تلاش کرتے تھے کسی روز تو ایک سطر بھی نہ ہوتی تھی کسی روز دو روز پہلے کی باتیں بولتے تھے فین کا مطلب ایسٹ یہ ریڈیو پروگرام مشرق بعید کے علاقوں میں داد چاعت دینے والے کی نامزدگی کا ہنگامہ تھا اسی ذکر میں اس کا خبروں کا وقت تمام ہو جاتا تھا غرضیکہ خبروں کی از حد پیاس تھی اضطراب تھا

پاکستان سفارت خانے کا ذریعہ معلومات بھی مطبوعہ اخبار ہی تھے آخوی روز جاپان ٹائمز نے لکھا کہ ۵۳ آدمی ہنگاموں کی نزر ہو چکے اور کراچی سے آگ دوسرے شہروں تک پہنچ گئی یہ سطور بھی ہم وطن سے کئی ہزار کوس دور ہانگ کانگ میں لکھ رہے ہیں دیکھئے ہمارے پہنچنے تک کیا ہوتا ہے اور آج یہاں سے چل بھی پاتے ہیں کہ نہیں کیونکہ ریڈیو ہانگ کانگ دیا دم اآجشام اسی بحری طوفان کی آمد آمد کی خبر دے رہا ہے جس نے پچھلے دنوں اس بستے میں قیامت صغری برپا کی تھی خطرے کا سنگل ۴ ہو چکا ہے ہمیں میکاؤ جانا تھا جو پچاس کوس دور ایک پرتگالی مقبوضہ ہے لیکن وہاں کے لئے سمندری آمدرفت منع ہو گئی بلکہ کولون اور جزیرہ ہانگ کانگ کے درمیان فیری بھی کم کم آجا رہی ہے کسی بھی لمحے بند ہو سکتی ہیں ایک حشر کراچی میں برپا ہے ایک ہمارے سینے میں اور ایک سمندر کی پہنائی پر دندنا رہا ہے آتے آتے زاویہ بدل لے اور کنی کاٹ لے تو اچھا ہے ورنہ پھر ہم اور ہانگ کانگ کو ہم بہت دیکھ چکے ہیں اور اس کے متعلق بہت کچھ کچھ لکھ چکے ہیں اس وقت ہانگ کانگ کی باتوں کا کسے دماغ ہے باہر بازار میں گرمی اور ہمس کا دور دورہ ہے کل شام ہمارا جی گھبرایا تو نکلے اور فیری میں سوار ہو کر ہانگ کانگ پہنچ گئے جنھوں نے یہ دیکھا وہ اس کا جغرافیہ سمجھ لیں اس کے دو حصے ہیں ایک کولون جو سرزمین چین کی انتہائی جنابی نوک ہے آپ اسے کیماڑی کہہ لیجئے دوسرا ہانگ کانگ جو جزیرہ ہے آپ منوڑہ پر قیاس کر لیجئے لیکن اس کی خوبصورتی اور رونق کے کیا کہنے ہوائی اڈہ کولون والے حصے ہی میں ہے جس کو ہانگ کانگ جانا ہو وہاں ٹھرنو ہو ہم پچھلی بار وہیں ٹھرے تھے وہ اترے اور فیری یعنی بیڑی میں سوار ہو کر اس پار جائے کاروں کے لئے ایک بیڑی الگ چلتی ہے یہ انتظام ہمیشہ سے چلا آرہا ہے لیکن اب ان دونوں حصوں کو ملانے کے لئے سمندر کے نیچے سرنگ بنادی گئی ہے زرکثیر کے خوچ سے مکمل تو ہو گئی ہے لیکن اب اس کا افتتاح ہونا باقی ہے آج کل ہو رہی ہے ہم سمجھتے ہیں ہمارے یہاں سے جانے کا انتظار ہے اچھا صاحبو ہم یہاں سے چلے ہی جائیں گے ہم کون سا یہاں رہنا چاہئے ہمارا دل بھی تو کراچی میں اٹکا ہے ویسے تم کہتے تو ہم اس کا افتتاح کر دیتے کسی اور کو بلانے کی ضرورت نہ پڑی۔

سب سے پہلی گاڑی جو سرکاری طور پر اس سرنگ میں سے گزرے کی وہ ۱۸۹۹ء کی بنی ہوئی ایک فٹ ہے یہ خاص اسی مقصد کے لئے اٹلی سے یہاں منگائی گئی ہے ۱۹۲۴ میں اٹلی اور سوئیز لینڈ کے درمیان الپس کے نیچے جو سرنگ بے اس کا افتتاح بھی اسی نیک بخت نے کیا تھا سرنگ بنتے سے آسانی تو بہت ہو جائے گی لیکن بیڑی کے سفر کا سا لطف اس میں کہاں ہے۔

کراچی کے ہنگامے اور فساد کے بڑے اخبار ساؤتھ چائنا مارننگ پوسٹ میں آخری صفحے پر ہے اور وہ یہ کہ کرفیو کے باوجود لسانی فساد کے پانچویں روز بھی کراچی اجڑی بجڑی سڑکوں اور گلیوں میں مشین گن کی تڑتڑاسنائی دیتی رہی البتہ پہلے صفحے پر ایک خبریں پاکستان کا نم زیادہ نمایاں طور پر آیا ہے چار کالمی سرخی میں تصویر بھی ہے جس میں ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی ماچس دکھائی گئی ہے ہم یہی سمجھے کہ آتش زنی کی وارداتوں کی چرف شارہ ہے سرخی تھی کچھ ذرمعنی تھی pakistan snaps match sticks پڑھنے پر معلوم ہوا کہ ذکر فقط ماچس کا ہے ماچس کی کارستانیوں اور تباہکاریوں کا نہیں خلاصۃ خلاصہ خبر کا یہ کہ ہانگ کانگ کی ماچس فیکٹریوں کو پاکستان کے تاجروں نے دیا سلائی کے اتنے آرڈر بھیجے ہیں کہ یہ فیکوں اور ٹام لگا کر بھی اسے

پورا نہیں کر پاتیں جو کچھ بناتی ہیں پاکستان بھجوا رہی ہے جتنی کہ ہانگ کانگ میں ماچس کا کال پڑتا جا رہا ہے یہاں ہر دکان دار گاہک کو مفت ماچس پیش کی جاتی ہے اب دکانوں اور ہوٹلوں والے آپ کا سگریٹ سلگا کر جاتی ہے اب دکانوں اور ہوٹلوں والے آپ کا سگریٹ سلگا کر باقی ماچس اپنی جیب میں رکھتے ہیں اگلے بارہ ماہ کے لئے آرڈر بک ہیں یعنی سارا سامان آتش زنی کا پاکستان ہی بھیجا جائے گا خدا رحم کرے اور یہ بایں ہمہ ہیں کہ پاکستان میں آج کل ہانگ کانگ کے علاوہ بھی ہر ملک کی ماچس چل رہی ہے ہر نئی دکان پر نیا برانڈ اور اس پر کسی نئے ملک کا ٹھپہ حالانکہ اس وقت ضرورت آگ کی نہیں پانی کی ہے اس بھڑکی ہوئی آگ کو بجھانے کے لئے۔

اب ہم قلم ہاتھ سے رکھتے ہیں باہر بارش ہو رہی ہے فضا تو کل ہی سے دھواں دھواں ہے دیکھئے کتنا برستا ہے سودا کا شہر آشوب یاد آ رہا ہے

یہ جی میں آتی ہے یوں روئے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

ضرورت ہے ایک گدھے کی

ہمارے پرانے اور عزیز دوست ابوالخیر کشفی بھی آج کل جاپان میں ہیں لیکن ٹوکیو میں ہیں ان کی فرمائش ہے کہ اوسا کا آؤ اور یہاں سے کیوٹو اور نارا چلیں کہ اصل جاپان کے تہذیبی وارث یہی شہر ہیں اوساکا ہم اپنے ائیر ٹکٹ پر بھی جاسکتے ہیں لیکن ان کی ہدایت ہے کہ ہکاری میں آؤ جاپان کی یہ گاڑی گولی کی رفتار سے چلتی ہے اس کو بلٹ ٹرین بھی کہتے ہیں ایک تو ہمارا جی آرام کی طرف مائل ہے پھر ایک پہاڑی مقام ہاکونے ہمارے پروگرام میں پہلے سے شامل ہے اور پھر یک طرفہ سفر بھی ہمارے حساب سے سوا روپے کو ہوجتنا ہے جو پردیس میں ہمارے لئے زیادہ ہے اور پھر کراچی کی بھی فرک ہے لہذا کشفی صاحب کو فون کر دیا کہ یار عزیز تم خود ہی پہنچو ہم کراچی سے تو کیو آگئے ہیں تو کیا تم وسا کا سے یہاں تک نہیں آسکتے۔

جاپانیوں کے پاس صنعت و تجارت کے طفیل اتنے پیسے جمع ہوگئے ہیں ڈالر پونڈ وغیرہ بھی کہ حکومت خود لوگوں کو شوق دلاتی ہے کہ بھائیو ملک سے باہر جاؤ اور پیسے خوچ کرو ہر جاپانی کو آمروفت کے خوچ کے علاوہ تین ہزار ڈالر فی کس خوچ کرنے کی کھلی چھٹی ہے اہل پاکستان سے ہمیں کتنا ہے کہ کھیت کو دیلو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا ذرا کاغان وغیرہ کی تشہیر ہیاں ہو جائے تو ملک کو بھی فائدہ پہنچے اور پی آئی اے کو بھی پوسوں پر لے روز سیاحت کے محکمے کے ایک پاکستانی حاکم یہاں تشریف لائے تھے وقت ان کے پاس کم ہی تھا رات کے نو بجے آئے اور صبح نو بجے تشریف لے گئے کوئی اس سے زیادہ ضرری کام ہوگا سفارت خانیوالوں نے یہاں کے وزیر سیاحت یا نائب وزیر سیاحت سے ان کو بلایا پاکستان اور جاپان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بات ہوئی جاپانی وزیر نے کہا کہ اگر پاکستان کو جاپان سے روشناس کرانا ہے تو ایک گدھا بھیج دیجئے حاضرین نے بات کو ہنس کر ٹال لنا چاہا لیکن موصوف اسی پر مصر تھے کہ ہاتھی نہیں مانگتے گھوڑا نہیں مانگتے ہم کو تو گدھا چاہئے۔

اے صاحبو پاک وطن کے رہنے والو دیکھو دوسرے ملکوں میں گدھے کی کتنی مانگ ہے کتنی وزت ہے امریکہ میں ڈیموکریٹک پارٹی کا تو نشان ہی گدھا ہے ادھر ہم ہیں کہ اپنے ملک میں گدھوں کی حماقہ قدر نہیں کرتے بعض لوگ تو گدھوں کو جو ہمارے ہاں ہر شعبہ زندگی میں بھردے تحقیر سے بھی دیکھتے ہیں اور اکثر تو گدھے گھوڑے کی تمیز بھی اٹھاتے ہیں دونوں کو ایک لاٹھی کے ہانکنے لگتے ہیں حالانکہ گھوڑا سائے دکٹوریا کھینچے اور ریس میں دوڑنے کے کس کام آتا ہے سود کٹوریا ختم ہورہی ہے اور ریس کو ہم خود ختم کرنا چاہتے ہیں گدھا اس کے مقابلے میں مجمع صفات ہے معصوم نیکدل۔۔۔ بردباد۔۔۔ لدو۔۔ جن صاحب نے ہمیں یہ گفتگو سنائی ان سے ہم نے کہا کہ گدھوں کو تو ہم باہر بھیجتے رہتے ہیں بلکہ ہمارے ملک سے باہر جانے والوں میں اکثر گدھے ہی ہوتے ہیں ان صاحب نے کہا جاپانی وزیر کی مراد واقعی چار ٹانگوں والے سچ مچ کے گدھے سے

تھے جاپان میں گدھے نہیں ہوتے یہ گدھا چڑیا گھر میں رکھا جائے گا جاپانی بچے اسے ذوق و شوق سے دیکھیں گے اور پوچھے گے کہ یہ کہاں پایا جاتا ہے جواب ملے گا پاکستان میں اور وہ یوں پاکستان سے روشناس ہو جائیں گے اور یاد رکھیں گے کہ پاکستان بھی ایک ملک ہے وہ ملک جس میں گدھے پائے جاتے ہیں اور افراط سے پائے جاتے ہیں

\-

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

کہا جاپان کو جائیں کہا جاپان کو جاؤ

آرے سے گئے نوح تو نارے آئے
نارے سے گئے نوح تو آرہے آئے

یہ شعر اردو کے طوفان بدوش شاعر ناروی مرحوم کا ہے اللہ اللہ رہی طبیعت کی روانی نارے کہ یہ رہنے والے تھے اور آرے ہیں ان کی سسرال تھی اس آمدورفت میں ان کی زندگی تمام ہوگئی ٹوکیو میں ہمارا بھی یہی حال تھا ہمارا نارا ہمارا ہوٹل گینڈ پیلس تھا جو بالکل نیا نکور ۲۳ منزل کا ہے اور ہمارا آرہ کیدن رن کا ئیکان بلڈنگ کوئی دو میل دور جس میں ہماری میٹنگ ہوتی تھی نہ اس بلڈنگ کا نام ہمیں کبھی یاد ہوا اس وقت ڈائری دیکھ کر لکھ رہے تھے اور نہ اس کا راستہ کیونکہ ایک بس علی الصبح آتی تھی دو لڑکیاں اس میں سے نکل کر اپنی طوطاری وردی میں ہم کو ڈنڈوت کرتی تھیں اور ہم سوار ہو کر عٖ منزل پر پہنچ جاتے تھے اول تو راستہ بھولنا اور بھٹکنا تو ہمارے لئے طرز زندگی بن چکا تھا پھر یہاں پیدل چلنے کا موقع نہ ملا جس سے راستہ ذہن نشین ہو علامات ۹۹ فیصد صورتوں میں فقط جاپانی زبان ہوتی ہیں زیر زمین ریلوے میں بے شک انگریزی بھی کفایت استعمال ہوتی ہے سو وہاں ہم تنہا نہ گئے ہمارے دوست سید محمود شہ ساتھ تھے راستہ دریافت کرنا ان کی ذمہداری تھی مشرق و مغرب اور شمال وجنوب بھکیڑے بھی ہم سے نہیں ہوتے یہ تو ٹوکیو ہے لندن کی آکسفورڈ اسٹریٹ پر بھی ہم بھٹکے ہیں کسی بغلی سڑک سے اس سڑک پر نکل آئیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ماربل مارچ کس طرف کو ہے اور ٹوٹنہم کورٹ روڑ کدھر ہے پہلے ہم ماربل آرچ کی طرف ایک اونچی سی بلڈنگ کی نشانی رکھی تھی پھر انگریزوں نے ویسے ہی ایک بلڈنگ دوسری طرف بنادی پھر ہم سلفریج کے ڈپارٹمنٹل اسٹور کی نشانی رکھنے لگے کیونکہ اس پر بہت سے ملکوں کے جھنڈے لگے رہتے تھے ستم ظریفوں نے وہفرلانگ دور ایک اور بلڈنگ پر ویسے ہی جھنڈے کھڑے کر دئے آکسفورڈ سرکس کا اسٹیشن ایسا ہے کہ اس کے چاروں طرف بھی آکسفورڈ سرکس ہی آکسفورڈ سرکس ہے بار ہا یہ ہوا کہ ہم کس مقام کی تلاش میں آدھا میل دور چلے گئے پھر خیال آیا کہ غلط سمت میں آگئے اب آکسفورڈ سرکس کے دوسری طرف آدھا میل دور گئے تو اندازہ ہوا کہ غلطی اب ہوئی ہے پہلے ہم صحیح جارہے تھے ہمارے بہت سے کام اسی میں رہ گئے ٹوکیو میں یہ ہمارا تیسرا پھیرا تھا لیکن ہم آرے اور نارے کے چکر میں گرفتار رہے ایک روز ہندوستانی اور پاکستانی کھانے کی تلاش میں گنزہ نکل گئے وہاں سب سڑکیں اور سب عمارتیں ایک سی ہیں ہر چند کہ بدرقہ ساتھ تھا اتنا اتنا بھٹکے کہ بے حال ہوگئے نائل ہوٹل جس کا راستہ ہمارے خیال میں ہمیں آتا تھا پی آئی اے کے سیلز آفس میں گئے وہاں ایک جاپانی بیٹھا ایک افغانی کا ٹکٹ بنا رہا تھا وہ بھی ہماری مدد نہ کر سکے آخو اشو کا ہوٹل کا بورڈ دیکھ کر اندر چلے گئے اور وہیں بھوجن کیا ہم سے کراچی سے ٹوکیو جانے کو کئے تو ہم بدل وجان سے تیار ہیں لیکن اپنے ہوٹل سے اٹھ کر گنزہ یا کہیں اور جانے کو ہم سے نہ کہئے ہمارے ہوٹل کے کمرے میں ٹیلی ویژن بھی ہے اور رنگین ٹیلیویژن ذرا گردن اٹھائی دیکھ لیا لیکن زبان جاپانی ہے بعض اوقات ہم آواز کی گھنڈی بند کر دیتے ہیں اور فقط تصویر دیکھتے ہیں ہمیں زیادہ ترغبت کارٹون سے ہے اور وہ علی الصبح شروع ہو جاتے ہیں اسکرین کے ایک کونے میں وقت بھی آتا رہتا ہے کہ اس وقت اتنے بج کر اتنے منٹ ہوگئے

ہیں تا کہ لوگ دفتر یا کام پر جنے سے غافل نہ رہے ریڈیو بھیہے لیکن اس میں فقط یعنی فار ایسٹ نیٹ ورک کی گھنڈی ہمارے کام کی ہے ہوٹل کی چوٹی پر ایک پر تکلف ریستوران بھی ہے یہاں سے سارا شہر بھی پھیلا ہوا دیکھئے لیکن یہ ٹوکیو کا سب سے اونچا ہوٹل نہیں ہے سب سے اونچے ہوٹل کا نام کیو پلازہ ہے اس کی ۳۵ منزلیں ہیں ہوٹل کیا بناتے ہیں آسمان میں تھگلی لگاتے ہیں جاپانی پہلوانوں کی کشتی ہم نے ویسے تو نہیں دیکھی ٹیلی ویژن پر دیکھی ہے جو رائیے کسی باہر والے کی ہمارے پکے گانے کے باب میں ہو سکتی ہے وہی ہماری اس کشتی کے بارے میں ہے معیار ہمارے ہاں صحت وتنومندی کا یہ ہے کہ چھاتی نکلی رہے اور کمر دبی رہے چنانچہ چیتے کمر کو رشک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جاپانی پہلوان اپنا پورا بدن نکالتا ہے خصوصا پیٹ جب تک وہ نیل کے مارٹ کی طرح لٹک کر تھل تھل نہ کرے پہلوانکو کشتی کے لائق نہیں سمجھا جاتا آدمی کیا ہوتا ہے گوشت اور چربی کا پہاڑ ہوتا ہے پہلے مینڈک کی طرح ہاتھ ٹیک کر پیٹھ اٹھا کر ایک دوسرے کو گھوڑتے ہیں پھر نمک اٹھا کر چھڑکتے ہیں کچھ اپنے لنگوٹ پر ملتے ہیں پھر دونوں حریف ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں یا نہ جانے کیا کرتے ہیں اس کے لئے پہلوان کو بہت کھانا پڑتا ہے بے تحاشہ کھانا لٹینا اور ڈکار پڑتا ہے ایسے کام کی ممانعت ہے جس میں چربی کا ذرا سا بھی ڈھلے کا خطرہ ہو اس کشتی سے لطف و انداز ہونے کے لئے ذوق چاہئے اور وہ دو چار دن نہیں دو چار نسل ہی میں پیدا ہو سکتا ہے ایسا ہی ذوق جاپان کے روایتی تھیٹر کابوکی کو پسند کرنے کے لئے بھی مطلوب ہے ہم نے ایک بار دیکھا دوسری بار دیکھنے کی ہوس نہیں ہے بلکہ تاب بھی نہیں ہے اس میں ایک سی کہانی ہوتی ہے اور ایک سی نفیری بجتے ہیں اور سی حرکات ہوتی ہے اور ایک سی سکنات ہوتی ہے دوبی بیاں پس منظر میں بیٹھا دی جاتی ہے جو برابر گھنٹوں کے بل بیٹھی رہتی ہے ایک آدھا عورت جوڑا بنائے ہاتھ میں خنجر یا قرد لئے ہیرو کے آس پاس گھومتی رہتی ہے ہر کہانی ایک کٹا ہوا سر ضرور شامل ہوتا ہے اس لئے کٹا ہوا سر رکھنے کا ڈبہ ساز و سامان کا لازمی جزو ہے نہایت اسپر وافزا کھیل ہے ویسے تو ہمارا کلاسیکل چیزوں کے متلق ایسا ہی خیال ہے۔

ہم تو گیشا گھر کو بھی اس سے مستثنی نہیں کرتے ہم جب بھی جاپان گئے کوئی نہ کوئی مہربان ہمیں گیشا گھر لے گیا ہم اپنی ذات سے نیک آدمی ہیں لیکن وضعدار اور مرمت والے بھی ہیں کوئی کہیں جانے کو کہی تو ہم سے انکار نہیں ہوگا اب کے جس گیشا گھر میں ہمارے ایک میزبان نے ہماری دعوت کی وہاں کی بیشتر گھشائیں سال خودہ بلکہ عمر طبعی کو پہنچتی تھیں طنبورہ سنبھال کردہ زار نالی انہوں نے کی کہ بس

Virtual Home for Real People

خودکشی ان کی اور ہماری

ٹوکیو میں ہوٹل والے ہر روز ایک ماچس اور ایک چھپے ہوئے کپڑے کا کوئی جامہ ہمارے کمرے میں رکھ دیتے ہیں ایک روز کھول کے دیکھا تو وہ کیمانو تھا ڈریسنگ گون نما چیز شاید اس کو نائٹ سوٹ کے طور پر استعمال کرتے ہوں گے ایک آدھا بار ہم نے پہن کے دیکھا ڈھیلا ڈھالا تھا ہمیں تو خوش نہ آیا اس پر ٹھپے سے جگہ جگہ گرینڈ پیلس ہوٹل بھی لکھا تھا ورنہ ہم بھول چوک سے اسے اپنے کپڑوں میں رکھ کے لے آتے اور آپ صاحبان کو دکھاتے اسے آپ چوری کا نام نہیں دے سکتے نماز ہمارا فرض ہو تو چوری ہمارا پیشہ نہیں ہے تحفہ لانا ایک الگ چیز ہے جیسے ہم ماچسیں جمع کر کے لے ہی آتے ہیں ایک چپل بھی ہمارے کمرے میں دھری رہتی تھی اس پر بھی ظالموں نے گرینڈ پیلس ہوٹل نقش دکھا ہے ورنہ تحفے کے لئے برنہیں تھی ہم بدنیتی سے تو نہ لاتے لیکن ہمارے جوتوں کے ساتھ غلطی سے تو آسکتی تھی ہمیں ہمیں یہاں آ کر پتہ چلتا ہے کہ ہم لے آئے ہیں بھلا اتنی سی چیز پر ہوٹل کا ٹھپہ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔

ہم ٹوکیو سے باہر ہاکونے بھی گئے کہ ٹھنڈا پہاڑی صحت افزا مقام ہے راستے میں ایک آدھی جگہ ٹھیکی لی کوکا کولا وغیرہ پیا اور بھٹہ خوید کے کھایا مہنگا نہیں تھا ایک بھٹہ ہمارے حساب سے چار روپے کا پڑا ابلا ہوا نمک سمیت یہاں ہمیں جس ہوٹل میں ٹھرایا گیا وہ بہت بڑا ہزار کمرے سے زیادہ کا دور دور تک پھیلا ہوا ہوٹل تھا بارش ہورہی تھی دو اطراف جنگل جنگل ہی تھا وہ دن ہفتے کا تھا اس لئے رش بہت تھا بے شمار جاپانی جوڑے چھٹی منا رہے تھے ہماری مغربی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے پلنگ ماڈرن ڈالے گئے تھے لیکن ایک کونے میں چبوترا بھی تھا کس پر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور آلتی مالتی مار بیٹھنے کے لئے گدے تھے بیچ میں چوکی پر چائے کا پورا سامان ۔۔۔کیمونو پہن کر بیٹھنے اور چسکی لگائے کمرے میں پارٹیشن سی کر کے دو پلنگ ادھر دو ادھر ڈالے گئے تھے ادھر ہم اور ہمارے دوست دوسری طرف لاؤس کے دو مندوب ڈنر اکٹھا تھا اور یہ ہدایت تھی کہ پہلے آپ لوگ نیچے جا کر تالاب میں ڈبکی لگائے پھر کیمونو پہن کر ڈنر پر آیئے اس پر ہم ہنسے پھر روئے نہانے کو پہلے ہمارا جی چاہا پھر نہ چاہا اس تالاب میں عورتیں اور مرد اکٹھے نہاتے ہیں اور کپڑوں کے تکلف کے بغیر ہم آدھا راسیہ جا کر آگئے کہ خواہ مخواہ ہمارا اخلاق خواب ہو گا جاتے تو آپ کو ضرور بتاتے آپ سے کیا پردہ؟

ہاقوکونے کے راستے میں مسٹر نوما کا پرانا مکان پڑتا ہے مسٹر نوما کون ہیں ان کے تعارف کی یہاں گنجائش نہیں صرف اتنا جانئے کہ جاپان کے سب سے بڑے پبلشر ہیں ہماری کئی برس سے یاد اللہ ہے پاکستان بھی آچکے ہیں خود تو وہ ٹوکیو میں بیمار ہیں لیکن یہاں ہمارے خیر مقدم کا انتظام ان کے داماد نے کیا تھا یہ روایتی طرز کا دیہاتی مکان ہے چٹائیاں ہی چٹائیاں کھڑکیوں میں شیشوں کے بجائے کاغذ نیچی نیچی چوکیاں ہیں یہاں جاپانی انداز کی مٹھائیوں، چائے، اور پینے والوں کے لئے ساکی کا انتظام تھا بہرحال اس مکان اور ہوٹل کو

دیکھ کر جاپان کا کچھ کچھ نقشہ معلوم ہوا اور نہ مرکزی ٹوکیو عمارات تو ویسی ہی ہیں جیسی کبھی ماڈرن شہر میں ہوا کرتی تھی جدید، محکم اور فلک پیما۔

اے صاحبو جاپان تو جدید ہے لیکن اتنے جدید نہیں ہیں کہ ان کا طرز فکر وہی ہے کہ جو تھا سلام ع طعات اور نشست وخست سب میں سر گشتہ خمار سوم وقیود ہیں یہ نہ سمجھئے کہ چوغے پہنے پھرتے ہیں یا ساری عورتیں سر پر جوڑے بنائے کمر کے پیچھے گدی باندھے پنکھا کرتی نظر آتی ہیں کام کاج کا سارا لباس مغربی ہے کہ آسانی اسی میں ہے کہ تاہم آپس میں سلام سر جھکا کر ہی کرتے ہیں خواہ سڑک پر ٹریفک ہی چل رہا ہو اور لوگوں کا راستہ بھی رکتا ہو اس کے لئے فاصلے کا بھی التزام ہے مصافحے کا دستور نہیں اور یہ آداب بھی مقرر ہیں کہ کس درجے کے آدمی کے ساتھ کتنا جھکنا چاہئے تھوڑا جھکنا یا کمر کو دوہرا کرنا لازمی ہے تحفے کا لین دین بھی ان کی طبعی عادات درسوم میں ہے جس کو تحفہ دیا جائے اس کے لئے لازم ہے کہ اس سے دو پیسے زیادہ کا تحفہ لائے اور جوابی تحفے کی قیمت کچھ زیادہ قدر ہونی چاہئے اگر دو فریقوں میں پے در پے تحفوں کا تبادلہ ہوتا ہے تو جان لیجئے کہ تھوڑے دنوں دیوالیہ ہو جائیں گے یا سمجھدار ہوئے تو کوئی بات نکال کر ترک یعلق کر لیں گے۔

اور اے لوگو آداب کے ذکر سنیئے کہ جاپان میں خود کشی کے آداب ہیں ہارا کیری ایک رسم ہے لوگ مجمع عام میں کرتے ہیں دو مشہور مصنفین نے جن میں ایک نوبل انعام یافتہ بھی ہے اور جن سیسٹاک ہوم میں ملاقات کا شرف ہمیں حاصل ہو چکا ہے کھلے خزانے خودکشی کی ہے اس کے لئے قاعدے مقرر ہیں کہ خنجر پیٹ میں کس طرف گھوپا جائے کتنا گھونپا جائے اور گھونپتے وقت کپڑے کیسے ہونے چاہئں اور نشست کیسی رہنے چاہئے خودکشی ایک پورا فلسفہ ہے یہ نہیں کہ ریل کے نیچے سر دے دیا زہر پھانک لیا چھت سے چھلانگ لگا دی یا سمندر میں ڈوب گئے ہر بات کا کوئی قاعدہ ہوتا ہے قانون ہوتا ہے۔

اب ہم تھوڑی دیر کو جاپان سے پاکستان آتے ہیں جو کمال جاپان والوں نے انفرادی خودکشی میں پیدا کیا ہے وہ ہم نے اجتماعی خودکشی میں حاصل کیا ہے اور اس میں چھوٹے بڑے بھی شریک ہیں وہ بھی جو ۹۳ ہزار سپاہوں کو دشمن کی قید میں جا جا پھنساتے ہیں وہ بھی جو بسوں کو جلاتے ہیں وہ بھی جو کارخانے بند کر کے اور ہڑتالیں کرا کے ملک کو اقتصادی طور پر مفلوج کرتے ہیں اور لوگوں کو بے روز گار کرتے ہیں وہ بھی جو رینجرز پر پتھر پھینکتے اور کرفیو لگواتے ہیں ہم نے کل ایک جلی ہوئی بس اور پانی کی گاڑی کو دیکھا تو پوچھا کیا یہ گاڑیاں دشمن کی ہیں کیا یہ ٹریفک کے کھمبے دشمن کے ہیں کیا یہ سڑکیں دشمن کی ہیں اور یہ کھسوٹے ہوئے پودے کسی دچمن ملک کے ہیں معلوم ہوا سب ہمارے اپنے ہیں یہ سب ہمارے اپنے ہیں تو یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں جلاتے ہیں نوچتے ہیں، کھسوتے ہیں، یہ سب خود کشی کی تعریف میں آتا ہی یا نہیں۔

پچھلی دسمبر میں ہم لوگ نے اپنے مکانوں کو جو مٹی تھوپی تھی وہ ابھی تک نہیں دھلی ان دھواں دھار دونوں کی یاد دلاتی ہیں جب کیاڑی سے اٹھتا ہوا دھواں ہماری روح میں سرایت کر گیا تھا اس وقت ہم اپنی کھڑکی میں سے برنس روڈ سے اٹھتا ہوا دھواں دیکھ رہے تھے وہ دھواں دشمن کی عنایت تھی یہ دوستوں کی ہے لیکن آگ دو دوست نے لگائی ہو یا دشمن نے ہر شے کو یکساں جلاتی ہے پاکستان اس کی قدروں اس کی وسائل کو تباہ کرتے ہیں اور ایک سا حکم رکھتی ہیں۔

کیسے اجڑی ہوئی بسوں کو آباد کرو گے

لوگو تم کل ہم لوگوں کو یاد کرو گے

----

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

جوتے کا مقام ہمارے معاشرے میں

آپ ضیاء محی الدین کا شو دیکھتے ہیں پچھلے دنوں ضیاء نے ایک شو میں دکھایا کہ جاپانی لوگ کس تکلف سے چائے، بناتے، پیتے، پلاتے ہیں ایک جاپانی صاحبہ ہی سارا اہتمام کر رہی تھیں اور سامان بھی موقع کی مناسبت سے مہیا کیا گیا تھا چوکیاں، چٹائیاں، اور پیالیاں وغیرہ ضیا صاحب بھی جوتا اتارے موجود تھے اور گھٹنوں کے بل ادھر سے ادھر پھدک رہے تھے ان کے اس خوبی سے پھدکنے پر کہ جاپانی بھی رشک کریں پہلے ہمیں تعجب ہوا پھر نظریہ ارتقاء کا خیال آیا بلکہ اس پر ایمان آیا آپ کسی گئے یا اونٹ یا ہاتھی کو بھی اس خوبی سے پھدکتا نہیں دیکھیں گے اس لئے کہ ان کا رشتہ اس ذات شریف سے نہیں ملتا جسے انسان کا مورث اعلی کہا جاتا ہے۔

ضیاء کی بات تو بیچ میں یوں یوں آگئی ذکر جاپانیوں کے چائے نوش کرنے کا تھا بلکہ چائے نوش کرنے کا بھی نہیں تکلفات کا چائے تو ایرانی ہوٹل میں بھی مل جاتی ہے اور گھر میں بھی نوش کر لیتے ہیں جس کے ڈانڈے کبھی کبھی شیرے اور کڑھے سے جا ملتے ہیں جاپانیوں نے چائے کو عبادت بنا دیا ہے چائے کیا پیتے ہیں آرتی اتارتے ہیں اگر اتنی ہی مشقت کرنی ہے تو انسان چائے پینے کی بجائے سیدھا عبادت ہی کیوں نہ کرے کم از کم ثواب تو ملے گا عاقبت تو درست ہوگی اور جس کی عاقبت درست ہے اس کے لئے چائے کیا چیز ہے اسکو تو اور بھی بہت کچھ پینے کو مل جائے گا۔

جوتے یا ہم اتارتے ہیں یا پھر جاپانی اتارتے ہیں یورپ کے معاشرے میں جوتے کو ہرگز وہ حیثیت حاصل نہیں جو ہمارے ہاں ہے وہاں تو جوتا بس پہن لیا جائے سردی سے یا سڑک کے روڑوں سے بچنے کے لئے ہمارے ہاں پہنا جاتا ہے گانٹھا جاتا ہے مارا جاتا ہے کھایا جاتا ہے چٹخایا جاتا ہے اور دال بانٹنے کے برتن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے سگھڑ بیبیاں اپنے سرتاجوں اور خداوندی مجازی کو جوتی کی نوک پر رکھتی ہیں یورپ میں جوتی کی نوک ہی نہیں ہوتی لہذا اس سے یہ کام بھی نہیں لیا جاسکتا۔

ہم نے جو جاپان میں مسٹر نوما کے گھر پر جوتا اتار کر کھڑاؤں پہنی اور کھٹ کھٹ چلنے لگے جب ہماری ایک مغربی دوست دو قدم چل کر گر گئے اور دوسرے کے پاؤں میں موچ آگئی تو جاپانی میزبان بھی حیران ہو گئے اور کہنے لگے بھی یوں تو کھٹ کھٹ ہم بھی نہیں چل سکتے ہمارے بزرگ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں سنا ہے اسی طرح چلا کرتے تھے ہم نے کہا تم اپنے حساب سے یعنی مادی ترقی میں ہمیں اٹھارویں انیسویں بلکہ پندرویں سولہویں صدی ہی سمجھو تم لوگ اور سب باتوں میں ہمارا مقابلہ کر سکتے ہو اس میں نہیں یہ تو کھڑاؤں ہے ہم ننگے پاؤں عمر گزار دیں ایک لنگوٹی ہمارے لئے زندگی بھر کو کافی ہے بلکہ اس کو پہنتے بھی ہیں اس میں پھاگ بھی کھیلتے ہیں تم ہمارا صوفیانہ کلام پڑھو اردو شاعروں کی غزلیات پڑھو اچھا کھانے پینے کی اچھے مکان

میں رہنے کی کوئی کام کرنے کی یا ترقی کرنے کی ہمارے ہاں سخت مناہی ہے کیونکہ یہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں آنی جانی ہیں موہ مایا کی تعریف میں آتی ہیں حتی کہ محبت تک میں وصل پر ہجر کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ اس سے دل گداز ہوتا ہے ہمارے ہاں تو ان روشیوں اور جوگیوں اور فقیروں کو رشک و احترام سے دکھایا جاتا ہے جو راکھ مل کر اور الاؤ جلا کر تپسیا کرتے ہیں جوئیں اٹھا اٹھا کر اپنے بالوں میں ڈالتے ہیں کانٹوں کے بستر پر سوتے ہیں فاقہ کرتے ہیں کشٹ بھوگتے ہیں ہم نے مثالیں بھی دیں کہ ایک بابا سنگل والے تھے وہ کئی من زنجیریں اپنے گلے میں صالے لاہور میں گھوما کرتے تھے ایک جوگی تھے انہوں نے اپنا ہاتھ عمر بھر سر سے بلند کر کے کھڑا رکھا حتی کہ جم گیا اور سوکھ گیا ہم نے بتایا کہ کیلوں کے نکیلے بستر ہمارے ہاں عام ہیں ہم خود کیلوں کے بستر پر سوتے ہیں بیرون ملک تھوڑا سا مبالغہ کرتے ہیں ہرج نہیں اور جاپانیوں کو ہم ٹرانزسسٹر بنا کر تھوڑا ہی مرعوب کر سکتے ہیں اپنی روحنیت سے ہی سے چت کر سکتے ہیں ہمارے گرد مجمع لگا دیکھ کر ہمارے ہندوستانی دوست ادھر آنکلے اور کہنے لگے تم ہندوستان کی روحانیت اپنے پاکستان کے حصے میں ڈال رہے ہو یہ بری بات ہے اس پر ہم نے ان کو تو معاہدہ شملہ یاد دلایا اور حاضرین سے کہا لیجئے اوم پرکاش جی آگئے بزرگ ان کے اور ہمارے ایک ہی تھے ہمارے بزرگ مسلمان ہو گئے اور کپڑے پہنے لگے اور کیلوں کے بستر کی جگہ کھری چارپائی پر سونے لگے یہ کھڑاؤں اور لنگوٹی اور الاؤ اور بھوت دیکھنے کا شوق ہوت بھارت جاؤ کاشی مرجاؤ ہردوار جاؤ کیوں اوم پرکاش جی اب تو آپ خوش ہے نہ۔

کچھ ذکر اوم پرکاش جی کا ہو جائے یہ ہندوستان کے نمائندے تھے لمبے تڑنگے دلچسپ رنگین آدمی دوسرے ہی دن کہنے لگے تم نے مالش کرائی ہم نے کہا کیسی مالش بولے دیکھا نہیں ہوٹل می مالش کا انتظام ہے کچھ پیسے ضرور لگتے ہیں میں نے فون کر دیا تھا ایک صاحبہ رات کو بارہ بجے آئیں مالش کر گئی تھکن دور ہو گئی ہم نے کہا کہ سر کی مالش کرائی ہوگئی یا شاید ٹانگوں کی ہنسے اور کہنے لگے میاں پورے جسم کی مالش ہوتی ہے ہم نے زیادہ تفصیلات میں جانا مناسب نہ خیال کیا اور کہا ہمیں تو تھکن ہی نہیں ہوتی جو مالش کرائیں کچھ تھکن ہوتی بھی ہے تو گرم پانی کے ٹب میں لیٹنے دور ہو جاتی ہے۔

ذکر جوتے کا تھا وہ بھی اس کے دوسرے افعال سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اتارنے اور پہننے کا ہمارے لئے تو اس میں کوئی نزرت نہ تھی انگریزوں اور امریکیوں کے لئے اچھی خاصی مصیبت ہے یہ تسموں والے جوتے کہ اتاریں تو پہن نہ سکیں اور پہنیں تو آسانی سے اتار سکیں ہمارے ہاں مغرب ہی سے آئے ہیں اتنا گھڑاہٹ ہمارے ہاں نہیں ہوتا اس لئے کہ ہمارے ہاں تا قدم قدم پر جوتا اتارنا پڑتا ہے کھانے پر بیٹھنے کئے لئے، نماز کے لئے، کسی کو مارنے کے لئے یہ لگ جوتوں سمیت نماز ادا کرتے ہیں جوتوں سمیت آپ کے گھر میں گھس جاتے ہیں اور پھر شرافت سے نہیں نکلتے نکالنا پڑتا ہے بعض اوقات تو اسے نکالنے کے لئے بھی جوتا استعمال کرنا پڑتا ہے شکر ہے کہ ہمارے پاس ایک ہتھیار تو ہے ورنہ ایسٹ انڈیا والے انڈیا کمپنی والے ابھی تک یہاں بیٹھے ہوتیمالش ہم نے نہیں کرائی اور مشترکہ تالاب میں جامہ عریانی پہن کر گنگا ہم نہیں نہائے پینے کا خانہ ہمیشہ سے خالی ہے اور اس لحاظ سے صوبہ سرحد میں بھی ہنسی خوشی رہ سکتے ہیں پھر ہمارا گیشا گھریا گھشا پارٹی میں جانے کا کیا مطلب صاحبو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی انگریز آئے تو ہم اسے طرح مشاعرے میں بلائیں اور وہ ہماری واہ واہ پر حیران ہوں ہر ملکے و ہر دسمے ہم نے جوتے اتارے اور گیشاؤں نے ہمارا خیر مقدم کیا ایک کمرے میں جا اترے اور چاکی کے سامنے بیٹھ آلتی پالتی مار کر کوکا کولا پینے لگے یہاں مزید چرندم خورندم ہوئی لیکن اب اس کے ساتھ کچھ سوزخوانی بھی ہوئی ہمیں تو گیشاؤں کا گانا ہمیشہ سوزخوانی ہی معلوم ہوا جانے سنکیاں لے لے کر کیا کیا گاتی ہیں

پھر تیسرے کمرے میں گئے یہاں طرح طرح کی سبزیاں اور مچھلیاں ہمیں تل تل کر کھلائی گئیں اور واقعی مزے کی تھی یہاں لٹکا کر بیٹھ گئے جس طرح لوگ قبر میں پاؤں لٹکا کر بیٹھتے ہیں یہ نامبارک محاورہ تو ناحق بیچ میں آ گیا ایک چوریں سا گڑھ تھا اس میں پاؤں لٹکا ہئے جس طرح پرانے زمانے میں جالا ہے کھڈی بنا کرتے تھے آگے چوکیاں تھیں ورنہ اس تصر مذّت میں گرنے کا ڈر تھا اسی گڑھے کے وط میں جاپانی باورچی کھڑے چیزیں تل تل کر دے رہے تھے اسی دوران میں گیشا ئیں برابر میمانوں کی بلائیں لیتی رہیں اب کے پھر طنبورہ نوازی ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے جلد ختم ہوگئی اور ہمیں ساکوراساکوراوالے رقص میں شامل نہیں ہونا پڑا ہم ایک بار اس میں شامل ہو چکے ہیں لیکن قصہ کئی برس پرانا ہے اس کی تصویریں ہم ہر کسی کو نہیں دکھاتے آپ دیکھنا چاہیں تو دکھا سکتے ہیں ہر ملک کے اپنے آداب اور اپنی رسمیں ہتی ہیں جاپانی میزبان کا بزنس لنچ یا ڈنر گیشا گھر میں ہوتا ہے اور مہمان کے لئے نسوانی صحبت فراہم کرنا دعوت اور بزنس کا حصہ ہیا س میں وہ جتنا گڑ ڈالے گا اتنا ہی میٹھا ہوگا لیکن بار اور گیشا گھر سے قطع نظر ہم نے گلیوں بازاروں میں چوما چاٹی کا وہ سلسلہ زیادہ نہیں دیکھا جو بعض دوسروں ملکوں میں ہے اور ہانگ کانگ میں ہے ہانگ کانگ کا احوال ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اب کے بھی میرا مار ہوٹل والوں نے ہمیں ہانگ کانگ کی جو گائیڈ وہ درد تنہائی دور کرنے کے لئے تیز بہدف کی پوٹ تھی ایک اشتہار کا اقتباس ایسکورٹس لمیٹڈ ۷۵ پیکنگ روڈ، کولون، مہمانان عزیز کے لئے رفیق تنہائی مہیا کرنے کی یہ سروس یوروپین ملکیت میں ہے ہمارے ہاں سے ہر طرح کی لڑکی مل سکتی ہے شام کو آپ کا جی بہلانے کے لئے چلبلی اور نوجوان لڑکی سے لے کر تنہائی کے ڈنر میں عمدہ گفتگو کرنے والی مادام تک آپ جیسے بھی منتخب کریں وہ خوش اندام، خوشپوش اور فرمابردار رفیق ہوگی ہر قوم اور نسل کی انگریزی بولنے والی فیس فی گھنٹہ ۳۳ ہانگ کانگ ڈالر کے حساب سے پہیا کئے جاتے ہیں ناپسند ہوں تو دام واپس گویا خواتین مہنگی ہیں اور مرد سستے ہیں ویسے ۲۲ ڈالر بھی کچھ کم نہیں ہمارے ہاں تو ٹکے ٹکے میں آدمی ملتا ہے اس قسم کی خدمت کے لئے تو ہم پلے سے بھی دینے کو تیار ہیں۔

www.HallaGulla.com

فلپائن

جولائی ۱۹۷۲ء

Virtual Home for Real People

جانا ملک سے باہر اور ہونا قدر ہماری

ہمارے ہاتھ میں سفر کی لکیر پھر کھجلائی اور بولی چل چلیئے دبیا دے اس نکڑے ہم نے کہا بسم اللہ لیکن بھاگوان اب کے کہاں اے جان قیس تیرا ارادہ کدھر ہے آج بولی منیلا دور مشرق کا مجمع الجرائز فلپائن ۔۔۔ہم نے کہا منیلا ہم دیکھ چکے ہیں اور اس کے بارے میں دنیا گول ہے میں کافی لکھ چکے جانا ہمارا فلپائن اور ڈرنا بات پر والا مضمون نہیں دیکھا کسی اور جگہ کا حکم تا کرو البتہ ہم اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے وقت نکالیں ہاتھ کی لکیر نے کہا اب کے قرعہ وہیں کا نکلا ہے اٹھاؤ ڈھول اور تماشے اور چلو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پس ہم نے ایک طرف سوٹ کیس اور دوسری طرف امام ضامن باندھ بلکہ بندھوا کر یار عزیز جمیل الدین عالی کو فون کیا بولے جہاز کب روانہ ہوتا ہے ہم نے کہا صبح سات بجے لیکن ہوائی اڈے پر ایک گھنٹہ پہلے پہنچے کی شرط ہے فرمایا سواری ہم نے کہا ہمارے پاس اوپر کو تو ہمیشہ سواری رہی ہے نیچے کو کبھی نہیں رہی اگر ہے تو اس کا ڈرائیور چھٹی پر ہے منہ اندھیرے نکلیں گے پاپوش نگر جا کر کسی ٹیکسی والے کی خوشامد کریں گے اس کی ٹھوڑی میں ہاتھ دیں گے زر کثیر کا وعدہ کریں گے بولے نہیں تم فون کر دینا میں آجاؤ گا ہم نے کہا پہلے تو لو پھر بولو آج کی حد تک پہلے بولنے اور پھر تولنے کی روش چھوڑ دو سوچ لو کہ بہت صبح اٹھنا ہوگا دوستی ایک طرف صبح کی بے آرامی ایک طرف فرمایا تم فون کر دینا جی حد سے حد اٹھ کر تم کو دو چار گالیاں دے لوں گا سو وہ ویسے بھی دے لیتا ہوں یہ بھی جانتا ہوں کہ اب کے کالم میں پھر تم نے میری علمیت اور فلسفہ نگاری پر کمینے پن سے چوٹیں کی ہیں تا ہم میں آؤں گا۔

بے شک وہ آئے اور راستے میں حیران بھی ہوئے کہ ہیں صبح ایسی ہوتی ہیں سپیدہ صبح اسے کہتے ہیں ہم نے کہا تم نے آج دیکھی ہے صبح ہم تو کئی بار سورج کو نکلتے دیکھ چکے ہیں فرمایا ارے کیا میرا اشمار چرند پرند میں کرتے ہیں یہ کوئی بھلے مانسوں کے اٹھنے کا وقت ہے ہوائی اڈے پر پہنچ کر گاڑی سے ایل ایم کے کاؤنٹر تک ہمارا سوٹ کیس بھی وہی اٹھا کر لے گئے ہم نے واجبی سی نہ نہ کی پھر چپ رہے وہاں بہت سے لوگ ہمارے پاس سے گزرے اور ہمیں پہنچانا بھی اس شخص کو جو حسینوں کے ناز تک نہیں اٹھا سکتا ہم نے سوٹ کیس اٹھائے دیکھا تو طے کیا کہ ہم اس احسان کا بدلہ چکا ہیں گے دو تین ہفتے تک ان کے بارے میں کوئی چھبتا ہوا نہ لکھیں گے۔

یہ منیلا ہے اور یہ منیلا کی خلیج کے عین سامنے ہمارا منیلا بے ہوٹل ہے نوین منزل کی کھڑکی سے سامنے جہاز کھڑے نظر آتے ہیں آج صبح طوفان کا سنگل نمبر ۳ ہوا تھا و لے بخیر گذشت چند ماہ پہلے یہاں ایسا ہولناک سیلاب آیا تھا کہ کیا ہے زمین فلک پہ تھا پانی کمر کمر ڈامر اور پتھر کی سڑکوں کو بہالے گیا چنانچہ اب نئی سڑکیں سیمنٹ کی بنائی جا رہی ہیں ونکہ سیمنٹ کی سڑکیں بھی ٹھیکیدار ہی بنائیں گے اور ٹھیکیدار اور اہلکاروں کے درمیان خیر سگالی اور امداد باہمی کا یہاں ہمارے ملک سے بھی زیادہ رواج ہے لہذا سیمنٹ کی کارکردگی بھی دیکھا چاہئے ایک بات ضور ہے یہاں مارشل لا ہے اور ابھی تازہ ہے تین ماہ ہوئے لگا ہے ڈانڈا پیر بگڑیاں تگڑیاں۔

علی الصبح اخبار کی تلاش ہوئی پچھلی بار منیلا ٹائمز اور اس کا میگزین ہمیں پسند آیا تھا ایک اخبار کرانیکل بھی اچھا تھا اب کے بازار ان میں سے تو کوئی نہ دیکھا فقط ایکسپریس اور جرنل اور بلیٹن دکھائی دیئے ایکسپریس تو پہلے کا ہے سنا

سے مارکوس صاحب کا اپنا ہے جرنل اور بلین حال کی پیداوار ہیں خبروں کے لحاظ سے بلیٹن ذرا سا غنیمت ہے ویسے سب خشک اور بے مزہ معلوم ہو منیلا ٹائمز وغیرہ بند کر دیئے گئے بلکہ منیلا ٹائمز نے خود اپنے کو بند کیا حکومت نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم لوگ ایڈیٹوریل وغیرہ میں اینڈی بینڈی باتیں لکھ جاتے ہیں جو ملک کے مفاد میں نہیں ہوتی اور جن سے ہماری طبیعت منغص ہوتی ہیں ہم تم کو بند نہیں کرتے اگر اخبار داریئے کے بغیر نکالو منیلا ٹائمز والے ایک ہی بوقوف نکلے کہنے لگے نہ صاحب اخبار نکلے گا تو اداریئے سمیت نکلے گا چنانچہ ورنہ والا معاملہ ہو یعنی نہیں نکلا۔ یہاں اخباروں کی سرخیوں میں ہر جگہ ہم نے یہ دیکھا کہ نے فلاں بات ارشاد کی ایف ایم نے فلاں بھاشن دیا ہم نے پوچھا کہ اس مارشل لا کا فیلڈ مارشل کون ہے معلوم ہوا کوئی نہیں ایف ایم کا مطلب ہے فرڈیننڈ مارکورس فلپائن پچاس ریڈیو اسٹیشن تھے ایف ایم نے سب بند کر دیئے صرف تین رہنے دیئے وہ بھی سرکار کی مہما گانے میں لگے رہتے ہیں ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی کئی تھے ایف ایم نے ان کو بھی مختصر کیا دو تین رہنے دئے آج کل فوج دکانوں پر جالیاں لگا رہی ہیں اور سڑکوں پر جھاڑو دے رہی ہے یعنی جو بھی کسی نے نئے نئے مارشل لا میں ہوتا ہے وہ کر رہی ہے لیکن یہ بات اگر ماندما شئے شب دیگر نمی ماندلوگوں سے غیر قانونی ہتھیار واپس لے لینے کا فائدہ یہ ضرور ہوا کہ اب لوگ پستول دکھا کر نہیں لوٹتے اندھیرے اجالے میں مسافر کی کلائیاں مروڑ کر یا گردن میں انگوٹھا دے کر گھڑی اتار لیتے ہیں کرفیو ۱۲ بجے رات سے ۴ بجے تک مستقل چل رہے ہیں اس سے پہلے آپ ہوٹل کے کمرے سے باہر ہوا کھانے کو قدم نکالیں تو دس آدمی لپک کر آتے ہیں صاحب چلئے جنت کی سیر کرا دیں حور غلمان کا نا رعایت کا انتظام ہے آپ کے کمرے میں بھی آپ کی تواضع کے لئے کوئی مہمان عزیز بھیجا جا سکتا ہے کرفیو کی وجہہ سے نائٹ کلبوں کے کاروبار پر اثر پڑا ہے تو نائٹ کلبوں کے مکین گاہکوں اور موکلوں کی تلاش میں سڑکوں پر نکل آئے ہیں یہاں ہر چیز بکتی ہے خو یدار بتاؤ کیا خویدو گے کہتے ہیں سرحد کے صوبے میں کوئی شاہ صاحب یعنی سید بادشاہ گئے تھے عقیدت مندوں نے ان کے ہاتھ پاؤں چومے خاطر کی اور بعد ازاں کہا یا حضرات ہماری خوش قسمتی کہ آپ یہاں تشریف لائے اب ہم آپ کو مار کر یہیں دفن کریں گے اس پر درگاہ بنائیں گے عرس کیا کریں گے ہمارے گاؤں میں کوئی درگاہ نہیں تھی چڑھاوے چڑھانے کے لئے بڑی دور دوسرے گاؤں جانا پڑتا ہے۔منیلا میں کسی پاکستانی شاعر کا آنا بھی ایسا ہی امر سمجھئے ہمیں مار کر دفن کرنے کا عزم تو کسی نے نہیں کیا۔لیکن ہمارا کلام خواتین وحضرات نے شاہد مرزا کے گھر پر جو ایشین ڈوپلمنٹ بینک میں ہیں فرمائش کرکر کے سنا۔اے اہل کراچی سنو ہمارا کلام ہمارا کیا نقصان ہے؟ تمارا ہی نقصان ہے ہمارا کیا ہے ہم منیلا آ کر یا ٹوکیو جا کر لوگوں کو سنا آیا کریں گے جواہر کی قدر کان سے نکل کر اور آدمی کی قدر وطن سے باہر جا کر ہی ہوتی ہے ہم جو اکثر وطن سے باہر جانا پسند کرتے ہیں کچھ بے وجہ نہیں ہے۔

منیلا ہم ہم ملک الشعرائیہو تے ہو تے رہ گیئے

ہم نے منیلا کے باب میں منیلا والوں کے ہاتھوں اپنی قدر دکا ذکر کیا تھا تفصیل اس لئے نہ دی تھی کہ ہماری طبیعت میں انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا ہے وعوتیں ایک سے ایک پر تکلف حتیٰ کہ ہمارا جی چاہنے لگا یہیں رہ جائیں باقی عمر بعد جداصحبت بتا میں یہیں گزاریں مشاعرے سے بھی ہوئے ہماری زندگی کہ یہ واحد مشاعرے تھے جن میں ہم کو سب سے آخو میں پڑھنے کی سعادت ہوئی جن دو تین صاحبوں اور بیگموں نے ہم سے پہلے پڑھا شعر تو اب کے ہم سے زیادہ اچھے تھےلیکن خوش قسمتی سے ہمری خوش قسمتی سے ان کا نام اتنا مشہور تھا پھر وہ منیلا کہ مقامی شعراء تھے اور ہماری حیثیت ایک شعراء کی تھی اور اس لحاظ سے ہم اس ساری عزت و تکریم کے سزاوار تھے جو ہمیں حاصل ہوئی اتنے بڑے مشاعروں میں پڑھنے کا بھی یہ ہمارا پہلا موقع تھا ایک روز تو تیس اس سے بھی زیادہ اگر ہم غوری کی تین سال بچی کو جو بھاگ رہی تھی اور دو سالہ بیٹے کو جو سو رہا تھا شامل کرلیں تو پورے پچاس سال معین ہے پاس والے گھر میں رہنے والے چاہے ہماری زبان نہ جانتے تھے فلپائن کے مقامی باشندے تھے لیکن ہماری گردراج اور کھرج دار آوازان کے کانوں تک پہنچی ہوگی اگر آپ شعر سمجھنے کی شرط نہ لگا ئیں تو اس طرح سامعین کی تعداد ستر پچھتر گنی جاسکتی ہے یہ شرط لگنی بھی نہیں چاہیئے کیونکہ آپ کی زبان سمجھنے والوں میں بھی سارے لوگ شعراء سمجھنے والے نہیں ہوتے مرد ہوں تو ٹک ٹک کر دیکھتے ہیں عورتیں ہوں تو وہ سوئیٹر بنتے رہتی ہیں فلپائن کی فضا شاعروں کے لئے یوں بھی سازگار ہے ہمارے تو صرف شعر ہی سنے گئے اور وہی دی گئی ہمارے محترم جی الانا صاحبکو تو فلپائن کے کسی ادارے نے پاکستان کے ملک شعراہ کا سرٹفیکیٹ بھی عطا کیا تھا اب اگر ہم کو پاکستان میں کوئی نہیں جانتا یا الانا صاحب کو پاکستان کے ملک الشعراء نہیں مانتا تو یہ ہمارے اہل ملک کی بے ذوقی اور بے سواری کے علاوہ کیا ہے ویسے ہم نے بھی منیلا میں اس ادارے کا سراغ لگانے کی کوشش کی تھی کہ ا ور نہیں تو نائب ملک الشعراء ہو کر ہٹیاپس آئیں لیکن کسی نے بتایا کہ نہیں یہ ہم کو معلوم تو ہوگا ہمیں بتانا نہیں چاہتے ہیں۔

غوری صاحب کی بیگم عابدہ جن کے پم کا اعلان عابدہ ناز کراچوی کے نام سے کیا ہے گیا ہے شعر روز ابرو شب ماہتاب میں کہتی ہیں لیکن اچھے کہتی ہیں ان کے میاں کرامت اللہ خان غوری جو کراچی یونیورسٹی میں پہلے پڑھتے پھر پڑھاتے رہے ہیں منیلا میں پاکستان کے سفارت خانے کے سیکرٹری ہیں نو کر نوکر ہو جانے کے بعد قاعدے کی بات تو یہ ہے کہ آدمی کولکھنا پڑھنا چھوڑ دینا چاہیئےلیکن غوری صاحب ایسے پڑھا کو ہیں کہ کتابوں میں ڈوبے بلکہ نہائے رہتے ہیں ان کی بیگم کو ان کا یہ انہماک پسند نہیں آیا اور پسند آ بھی کیسے سکتا ہے پس عابدہ غوری کی ساری شاعری کا موضوع ان کی رقیب یعنی کتاب ہی ہے ارشاد کیا ہے۔

تمہارے باب میں ہر باب باب الفت ہے
ہر ایک لفظ میں ہے ایں جناب کی صورت
کتاب ہی سے اگر تم کو اتنی رغبت ہے

ورق ورق مجھے پڑھ لو کتاب کی صورت

وطن کے اعتبار سے تو عابدہ ناز کو جھانسوی کہلانا چاہئے لوگ وطن کی محبت میں اپنے نام کے ساتھ گڈہیکسیری اور ڈبائیوی اور سر گودھی تک لکھتے ہیں لیکن عابدہ کو اس لئے عذر ہے کہ چھانسوی سے یہ معلوم نہیں ہوتا آیا یہ لفظ جھانسی سے نکلا ہے یا جھانسہ سے ویسے ہم نے ایک بزرگ کا نام تاباں بھانسوی سنا ہے یہاں منیلا میں دوسری شاعرہ خورشیدہ تاباں تھیں وہ شعر کم کہتی ہیں انکسار زیادہ برتتی ہیں بہت ہی خوش ذوق بی بی ہیں ان کے میاں مظہر عارف ایشین میں عجیب رچاؤ اور مٹھاس ہے اور پڑھنے کا مترنم انداز بھی بے حد دل نشین ہے ان کی ایک غزل تو ہم نے اپنے قارئین کے لئے پوری نقل کر لی۔

دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا
بیتے ہوئے اک اک پل سے اک اک نے پایا کیا کیا
یاد اک باسی سہی اس پھول نے مہکایا کیا کیا

آنسو وہ نکلے لیکن اک جادو تھا ان بوندوں میں
آنکھ سے دل کے آنگن تک سبزہ سا لہرایا کیا کیا

ہم کو بنست سے کیا بنالینا تھا تھا رت آئی رت بت گئی
دھنک نے کیا کیا انگڑائی لی بادل بھی چھایا کیا کیا

تارے بن گئے اوس کے موتی چاند نے چاندنی برسائی
پھیر کے منہ بھی ہم نے دیکھا ٹھگتی رہی مایا کیا کیا

جانے پہچانے چہرے یہ غم سے مٹی تصویریں
ان مٹی تصریروں میں دیکھا کیا کیا، پایا کیا کیا

ہم نہ سمجھتے زیست کے نکتے کو ان سے ایسے مشکل تھے
تیری زلف نے پیچ میں آکر بات کو الجھایا کیا کیا

اک خواب بے خوابی ہی میں ساری رات بسر کر دی
نیند سے بوجھل جھونکے آئے ہم کو چونکا کیا کیا

ترک محبت وہ بھی تجھ سے ایسے سے کوئی آساں ہے
پاس آکر سمجھایا کیا کی دور سے تڑپایا کیا کیا

وقت پڑے تو غیر بھی اپنے ہو جاتے ہیں دیکھ ہی لو
باتیں کیں تنہائی نے کیسی یاس نے بہلایا کیا کیا

اپنے اماں میں آجانے والوں پر آنچ نہ آنے ہی
دھوپ میں اپنے آپ ہی بدن بھر جلتا رہا رسایا کیا کیا

سب انسان دکھی ہیں عارف جیب سے یہ احساس ہوا
سکھ میں ہم نے دکھ جھیلا اور سکھ پایا کیا کیا

منیلا میں کلچر کی ایک اور خوراک بھی ہم نے لی ایک دن غوری کہنے لگے کچھ دلچسپی آرٹ اور کلچر سے بھی ہے ہماری آنکھوں کے سامنے مجرد مصوری غیر مجسمہ سازی اور پکے گانے کے مظاہر ناچنے لگے تا ہم نے جی

کڑا کر کے کہا دلچسپی کیا معنی یہ چیزیں تو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہیں آرٹ اور کلچر کا ذوق ہمیں مبدا فیاض سے بقدر وافر وبعت ہوا ہے۔

بولے اتنی زبان مشکل زبان بولنے کی بجائے ہاں یا نہ میں جواب دیجئے

ہم نے کہا ہاں پاکستان میں تا سبھی ہم سے پوچھ کر تصویریں ہیں اور ہمارا مشورہ لے کر گاتے بجاتے ہیں ساری آرٹ کونسلوں کے ڈاکٹر جا رہے ہیں برخودار ہیں اور ہمارے بغیر پاکستان میں کلچر کا پتہ تک نہیں ہل سکتا۔

اب غوری صاحب نے کہا کٹھ پتلیوں کا کھیل دیکھا ہے کبھی ہم نے کہا ہو وہ ٹرانسٹر اور کاریں کیسے بنا لیتی ہیں بھاری بھاری چوغوں والے تلوار بازز ٹیلی ویژن کے پوپئی سیلر کی محبوبہ سے ملتی جلتی دوشیزاں یا شہزادیاں غن غن کرتے بادشاہ یا سردار بولتے نہیں فرماتے ہیں اور گاتے نہیں گراتے ہیں چن چن کر بدآواز گانے والے لائے جاتے ہیں اور بے سری دف پر گوائے جاتے ہیں ہم نے پہلے حصے میں اپنے کو ضبط کیا بلکہ ایک دو تحسین کے کلمات بھی کہے تا کہ میوزک خصوصا جاپان کے کلاسیکل میوزک سے ہماری آشنائی اور رغبت ثابت ہو دوسرے حصے میں اپنے چٹکیاں لیتے رہے تا کہ سو نہ رہیں جماہی روکنا بڑا مشکل کام ہے جانے لوگ کیسے روک ہماری تو ساری عمر کٹھ پتلیوں کا کھیل دیکھتے گزری ہے ہمارے ملک میں یہی ایک کھیل تو ہوتا ہے بولنے میں سیاست کی بات نہیںؑ کر رہا سچ مچ کے puppet کی بات کر رہا ہوں آج فلپائن کلچرل سنٹر میں ہمارے ساتھ چلئے جاپانی کٹھ پتلی شو ہوگا۔

جاپان ہم کو بہت پسند ہوگا لیکن جاپان کے تھیٹر خصوصا کابوکی کا نام سن لیں تو اس طرح ہمارے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں لیکن خوشی سے نہیں ٹھنڈے پسینے آنے لگتے ہیں اختلاج ہونے لگتا ہے پاکستانی فیلیں اور جاپانی تھیٹر دیکھتے وقت ہم اپنے ساتھ اسپرین اور لخلخہ ضرور دیکھتے ہیں کیا عجب کب ضرورت پڑ جائے تو یہ کٹھ پتلی کا کھیل لیکن بالکل کابوکی کی طرز کا سمجھ میں نہیں آتا کہ جس قوم کا تھیٹر لیتے ہیں تیسرے حصے میں۔۔۔ کی نوبت ہی نہیں آئی ہم نے غوری سے کہا غضب ہو گیا ہم تو ایک صاحب کو عین اس وقت ملنے کے لئے ہوٹل میں بلا رکھا تھا اتنا دلچسپ پروگرام چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا لیکن مجبوری بولے میں بھی چلتا ہوں ہمارا خیال ہے لخلخے کی ضرورت ان کو اور ان کی بیگم کو بھی محسوس ہو رہی تھی جاپان میں تو سنا ہے اسپتال میں اپریشن کرنے سے پہلے مریض کو بے سندھ کرنے کے لئے دوا کا انجیکشن وغیرہ نہیں لگاتے کلوروفارم نہیں سنگھاتے بس کابوکی کی تھیٹر دکھتے ہیں ایک آدھا مین دیکھ کر ایسا غین ہو جاتا ہے کہ مزے سے چیر پھاڑ کر لیجیئے اسے پتہ بھی نہیں چلتا،

Virtual Home for Real People

ایک اور خط منیلا

جب ہمارے ہاں چینی کا کال پڑتا ہے ہم مشرق بعد کو روزانہ ہو جاتے ہیں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب کبھی ہم مشرق بعید کا رخ کرتے ہیں ملک میں چینی کی کمی پر ہاہا کار مچنے لگتی ہے ۱۹۶۸ء میں ہم سنگاپور اور ہانگ کانگ گئے تو کراچی کے ترسے ہوئے پیالی میں مٹھایاں بھر بھر چینی ڈالتے تھے اب کہ ۱۹۶۸ء کا حال تو نہ تھا جب لوگ ذیابطس کے مریضوں پر رشک کیا کرتے ہیں کہ اسے شکر آتی تو ہے خواہ کسی عنوان ہی آتی ہے تاہم یہاں آدھا چمچ پیتے ہوئے گئے تو منیلا میں ڈھائی چمچے ڈالنے لگے اور شیریں لبوں پر جاں نثار کرنے لگے فلپائن میں آج کل مارشل لا لگا ہوا ہے اب کے منیلا اپنے گھر کا سا لگا ہم نے نہیں لگوایا ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی لگا ہوا تھا اس کی وجہ سے اب کے منیلا اپنے گھر سا ہے ہم اتنے دن تک مارشل لا تحت رہے ہیں کہ جمہوریت میں دم گھٹنے لگتا ہے صدر فلپائن مار کورس نے اپنے فلسفہ حکومت پر جو کتاب لکھی ہے اس میں صدر ایوب کا ذکر تحسین کے لیجے میں کیا ہے ان کے تصور میں جمہوریت میں کا حوالہ دیا ہے کہ سبھی جمہوریت کا مذاق نہیں رکھتے اس کے اہل نہیں ہوتے لہذا یہ چیز ناپ تول کر ڈراپر کے ساتھ بقدر اشک بلبل دینی چاہئے زیادہ خوراک سے نشہ ہو جاتا ہے صدر مار کورس نے مارشل لا کے لئے یہ عذر شوعی بیان کیا جائے کہ بائیں بازو کی شورش کا خطرہ ہے جس طرح ہمارے ملک میں پرانے سیاستدان جب چاہتے تھے اسلام کو خطرے میں ڈال دیتے تھے اسی طرح فلپائن میں بائیں بازو کی شورش کا انتظام کیا جاتا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ پورے ملک میں کوئی اس بات پر یقین نہیں کرتا وہاں بائیں بازو والے لوگ تو ضرور ہیں اور کہاں نہیں ہیں لیکن مسلح شعرش کی بات الحاقی ہے ہم سیاسی بحث میں نہیں پڑتے فلپائن والوں کے ذاتی معاملوں میں دخل نہیں دیتے اس لئے بھی کہ بہت سے لوگ کو مارشل لا سے خوش پایا فلپائن اسی طرح مشرق میں جرائم کا گڑھ گنا جاتا ہے جس طرح واشنگٹن یا شکار گوامریکہ میں یہ کچھ غلط بھی نہیں تھا ہماری کتاب دنیا گول ہے کے فلپائن کے باب میں اس بات کو مثالیں دے کر واضح کیا گیا ہے اس وقت وہاں جان و ایمان خطرے میں ہوتے تھے گھر سے ہوٹل سے باہر قدم رکھنا اقدام خود کشی کے ذیل میں آتا ہے اب کے ایمان کا خطرہ تو پایا ایمان کے خطرے والے ہمارے ہوٹل کے باہری منڈلاتے رہتے ہیں اور رستے میں بھی گھیراؤ کرتے ہیں لیکن جان کا خطرہ کم ہو گیا ہے لوگوں کے ہتھیار بہت ضبط ہوئے ہیں اس سے پہلے تو ہر شخص سلحشور ہوتا ہے پانچ لاکھ ہتھیار برآمد کئے گئے ہیں جن میں اسٹین اور مشین گنیں تھیں بلکہ بکتر بند گاڑیاں بھی مارشل لا کے احکام اور آرڈری ننس روز نئے نئے نکلتے ہیں تعداد سیکنڑوں میں ہے لفٹ میں سگریٹ پینے کی ممانعت درج ہے اس کے ساتھ آرڈری ننس نمبر ۱۰۸۸ لکھا ہے ۱۹۶۶ء کے ڈرے ہوئے ہم اپنے ہوٹل سے کم کم نکلتے تھے ایک روز اپنے دوست ڈاکٹر مختار بٹھی کو ساتھ لے کر ہمارے ساتھ یہاں سے گئے تھے شہر میں دور تک نکل گئے اور سلامت واپس آ گئے منیلا کا وہ حصہ جس سے ہم شناس بہت بدل بھی گیا ہے پہلے جو پارک کا نام تھا اب سچ مچ کا خوبصورت پارک ہے لیومنیتا پارک ہم نے ایسے خوبصورت پارک بہت کم دیکھے ہیں اس کے سامنے رزال پارک سڑکوں کی روش بندی کے بھی کیا کہنے ہوٹل بھی ان چھ سال میں بہت سے بن گئے ہیں۔

موسم منیلا کا مشرق بعید کے بہت سے شہروں کی طرح ایسا ہے کہ نہ بھادوں ہرے نہ ہاڑ سوکھے موسم کی دو قسمیں ہیں گرم۔۔ گرم تر ہم سوٹ لے کر گئے تھے بہت پچھتائے۔ ہوٹل مرکزی ایر کنڈیشنڈ تھا اس

لئے اندرامن رہتا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ اس موسم کو منیلا موسم کا نام دیتے تھے ایک روز شام کو ذرا سی خنکی البتہ ہو گئی تھی مارشل لا کے علاوہ وہاں کرفیو بھی مستقل ہے ہر روز بارہ بجے شب سے چار بجے صبح تک رہتا ہے صبح کا تو ہمارے لئے کوئی مصرف کبھی نہیں رہا رات کو تکلیف تھی دوستوں کے ہاں دعوت کھاتے اور شعر پڑھتے ہیں بعض اوقات آدھی غزل چھوڑ کر اٹھنا پڑتا ہے ایک روز تو قافیہ پڑھ دیا ردیف کو چھوڑ کے بھاگنا پڑا۔

مارکورس صاحب کی بیگم بڑی دلکشی کی مالک ہیں اور ان کو الیکشن میں جتوانے میں ان کا بڑا حصہ ہے بچاری اچھی ہیں ایک شام ہم پان امریکن کے دفتر میں بیٹھے ٹکٹ بنوا رہے تھے کہ خبر آئی ان پر کسی نے چاقو سے حمہ کیا ہے کس نے کیا ہے کیوں کیا ہے کچھ معلوم نہ ہوسکا ہمیں یہی فکر تھی کہ جنوبی ریاستوں ہی کا تھا لیکن مسلمان نہیں سیدا کبر کی طرح پولیس والوں نے اسے گولی مار کر ڈھیر کر دیا جس سے اس کی عقدہ کشائی اور مشکل ہوگئی ہے ہم نے ٹیلی ویژن پر دیکھا قاتل تصابوں کی طرح چاقو چلا رہا تھا بیگم صاحبہ نے بڑے حوصلے سے مدافعت کی اور غنیمت ہوا کہ نیچے کر گئیں ہاتھ کی انگلیوں اور باہوں تک بات رہی ورنہ بچنا ممکن نہ تھا فلپائن میں چوکی پہرے اور سیکورٹی کا سخت انتظام رہتا ہے لوگ تصور بھی نہ کرسکتے تھے کہ کوئی قاتل قریب آ سکتا ہے بلکہ ایک فوٹو گرافر کا کہنا ہے کہ میں یہی سمجھا یہ شخص بیگم مارکورس کو چاقو نذر میں پیش کرنے جا رہا ہے۔

مشرق کی طرف کہیں بھی جایئے بنکاک سے مفر نہیں چنانچہ ہم کوئی بارہ چودہ بار بنکاک کے ہوائی اڈے سے گزر چکے ہیں اترے فقط تین بار وہ بھی ایک ایک دن کو بنکاک میں دھرا ہی کیا ہے جس طرح الہ آباد فقط اکبر اور امرود سے عبادت تھا اسی طرح بنکاک میں دریائی مارکٹ اور حماموں اور لاتعداد بودھ کے مندوں علاوہ کوئی چیز دیکھنے کی نہیں یہ ویت نام سے چھٹی پر آنے والے امریکی فوجیوں کا ٹھکانہ البتہ ہے ڈالر چھنکاتے آتے ہیں اور پتلونیں سنبھالتے جاتے ہیں باقی کپڑے یہاں کے نائٹ کلب میخانے، حمام اور مالش کے کارخانے، اتار لیتے ہیں دریائی مارکٹ تو علی الصبح ہوتی ہے اور ہم جو رات کے ڈھائی بجے منیلا سے بنکاک پہنچے تھے صبح پانچ بجے اٹھ کر جا بھی نہ سکتے تھے پی آئی اے کے اسلم خان صاحب نے البتہ مہربانی کی ہمیں اپنی کار دے دی اور سفارت خانے کے سلطان شیخ صاحب نے ہماری رہنمائی کے لئے اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکالا وہ ہمارے رفیق سفر اور دوست ڈاکٹر مختار بھٹی کے دوست تھے حسن اتفاق سے وہ دن اتوار کا تھا اور سنڈے مارکٹ کا جو بنکاک کی خاص چیز ہے بس ہم نے کچھ پگوڑے دیکھے پگوڑوں کے احاطوں میں بھی پگوڑوں کے جھنڈ میں آتا ہے ایصال ثواب کے لئے ایک پگوڈا کھڑا کر جاتا ہے اور مہاتما بدھ کی مورتی سجا جاتا ہے ہم نے لنکا، جاپان، چین، ہانگ کانگ، اور مہاتما بدھ دیکھے ہیں بیٹھا ہوا بدھ کھڑا ہوا بدھ، چلتا ہوا بدھ، پھرتا ہوا بدھ، لیٹا ہوا بدھ، آدھا لیٹا ہوا بدھ، سویا ہوا بدھ، آدھا سویا ہوا بدھ، ایک لیٹے ہوئے بدھ پر لوگوں نے نے سونا منڈھ رکھا ہے ایک بدھ زمرد کا بنا ہوا ہے بہر حال کہلاتا ہی ہے لوگ اگر بتیاں ملا رہے تھے پھول چڑھا رہے تھے اور ڈنڈوت کر رہے تھے۔

ہم نے زمردیں بدھ کے مندر آلتی پالتی مار کر اترتی دیکھتی اور عقیدت کا نور لے نکلے ایک صاحب نے پوچھا آر، یو اے بدھسٹ ہم نے کہا بدھسٹ تو نہیں بدھو البتہ ہیں اور خیر سے گھر کو جا رہے ہیں ایک کھڑا ہوا بدھو لکڑی کا ہم نے ہی سے حصول برکت کے لئے ساتھ لے کیا تھا اسے ہم کسی کو دکھاتے تھے یہ سب کے دیکھنے کی چیز بھی نہیں۔

جاپان

جولائی ۱۹۷۳ء

ہم تو سفر کرتے ہیں

خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں۔ مصرعہ تو یہ بہت پرانا ہےلیکن اس میں خوش رہو کے معنی نئے ہیں قصہ دو مسافروں کا آپ نے سنا ہوگا کہ کہیں چلے جارہے تھے ایک کا پاؤں رپٹا تو ایک اندھے کنوئیں میں گر گیا اور وار کیا دوسرے صاحب کچھ افیم اور کچھ انا کے نشے میں مست تھے چونک کے بولے از کجامی آید ایں آواز دوست اے عزیز کہاں ہوا ے میاں بدھن کچھ تا بولو انہوں نے اطلاع بہم پہنچائی کہ گڑھے میں گر گیا ہوں بلکہ اندھے کنوئیں میں حضرت نے لمحہ بھر توقف کیا اور پھر یہ دعا دے کر آگے چل دیئے کہ اچھا بھی جہاں رہو خوش رہو۔

آج کراچی میں قیامت کا سماں تھا پورا شہر جل تھل ایسا ٹوٹ کے بادل ڈوب گیا میخانہ بھی جسے دیکھو بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا رہا ہے ہم بھی پشم پشم بحر ابی بصرہ بندر روڈ سے یونیورسٹی روڈ ہوتے ہوئے گھر پہنچے پھر شام ہوئی یہ شام بھی دھواں دھواں تھی گھنگور گھٹائی کھڑی تھی زاں پیشتر کہ کہ پھر بوند پڑتی اور اس قطرے کے دل میں مزید خطرہ پیدا ہوتا ہم نے پان امریکن کے جمبو جٹ کے پائیداں پر پاؤں رکھا اور آواز لگایا۔۔ جانے دوس۔

جمبو جٹ یعنی بوئنگ ۷۴۷ میں جگہ بہت ہوتی ہے اندر سے یہ جہاز نہیں دیوان خانہ بلکہ سینمائی ہال نظر آتا ہے اس فرق کے ساتھ کہ وہاں لوگ پھینٹے باندھے کوکا کولا اور مونگ پھلی بیچتے دکھائی دیتے ہیں یہا ں شائستہ اور مہربان بی بیاں آپ پر ہزار جان سے نہ سہی مروت سے مسکراہٹوں کا چھڑکاؤ کرتی گزرتی ہیں ہمیں جس قطار میں جگہ ملی وہاں ایک ترک بی بی بیٹھی تھی ہمیں بے اختیار بر محل اشعار یاد آنے لگے اگر اآں کی شیرازی بدست آرد دل مارا وغیرہ لیکن یہ فارسی تھی زبان یار مومن ترکی نمی دائم ادھر دہ عفیفہ تھیں کہ گردن موڑ کر ایک امریکی سے باتیں کرتی چلی جارہی ہیں جو ان کی سیٹ کے پیچھے کھڑا تھا اور ان کو نہیں جانتا تھا اور زبردستی تعارف کرائے جارہا تھا کہ میرا نام یہ ہے اور میں کلیولینڈ میں رہتا ہوں جو امریکہ کے مغربی ساحل پر ہے اس بی بی نے کہا میرا کالج کا استاد بھی امریکہ کے مغربی ساحل کا رہنے والا تھا اگر دل کو دل سے راہ ہو اور طبیعتیں مائل بہ یکدیگر ہوں تو اتنا رشتہ بھی بہت ہوتا ہے اور اگر نہ ہوں تو سال اور آر سی ڈی بھی بے کار ہوتے ہیں ہم ان دونوں چیزوں کو اپنی جیب میں رکھے منتظر تھے کہ یہ اس مکالمت سے فارغ ہوں تو ہم بھی اپنی رطب انسانی کے جواہر دکھائیں اور ان کو بتائیں کہ انقرہ استنبول ہم نے دیکھ رکھے ہیں اور ترکوں پر ہم جان چھڑکتے ہیں ان میں بھی صیغہ تانیث پر بالخصوص یہ بی بی سیاحوں کے ایک گروپ کے ساتھ ہیں یہاں سے یہ دتی میں اتریں گی ترک عموماً دلی ہی میں اترا کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد کشور کشائی معلوم نہیں ہوتا ہو بھی تو وہ اور زمانہ ہے دلی ا ترتے ہی یہ تاج محل دیکھنے جائینگی ہم نے کہا اے بی بی آتے جاتے میں اٹک کراچی میں اترو ہی تو اپنی بساط اور تمہاری صورت کے مطابق خدمت کے کچھ حقوق ہم بھی ادا کریں جو اسلام اور آر سی ڈی، کے علاوہ دوسرے رشتوں سے بھی ہم پر واجب ہوتے ہیں لیکن دانتوں کے سبھی ڈاکٹر طیب محمود کی طرح ادب شاعری اور فنون لطیفہ

کے رسیا نہیں ہوتے فنون لطیفہ تو ایک طرف بعض ڈاکٹروں کی سمجھ میں تو لطیفہ تک نہیں آتا معلوم ہوا کہ یہ محترمہ صرف دانت دیکھتی ہیں اور کوئی چیز نہیں دیکھتیں دل وغیرہ تک نہیں دیکھتی پس ہم بے مزہ ہوکر اٹھ گئے تسبھی مسافر تین تین سیٹوں پر لمبی تانے سو رہے تھے ہم نے بھی ایک کونا تا کا چار سیٹیں ایک ساتھ خالی تھیں ہم نے کسی اور مناسب موقع کے لئے اٹھا رکھا اور سوچنے لگے کہ ہندوستان سے رابط ضبط بڑھانا چاہئے آخو اس سے بھی ہمارے بہت سے ثقافتی رشتے ہیں،

فوری وجہہ ہندوستان کے لئے ہمارے دل میں گداز پیدا ہونے کی یہ ہوئی کہ ہم سے اگلی صف میں ایک دیوی اس ملک کی اپنے لانبے بالوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی دلی کوئی گھنٹے بھر میں آنے کو تھا اور وہ اس کی تیاری میں سولہ سنگار کو رہی تھیں پہلے انہوں نے آنکھوں پر اس چیز کی دھڑی جمائی جس کا نام ہمیں نہیں آتا پھر پوڈر لگایا اور پھر دوبارہ بال بنانے لگی آئینہ ہمہ پیش وقت تھا ہم نے فارسی اور ترکی کا دفتر تہ کر کے ہندی کے دوہے یاد کرنے شروع کئے کبیر کے دوہے کم یاد آئے زیادہ تر بے ثباتی دنیا سے متعلق تھے یا پندرہ نصاں کا دفتر تھے ہاں جمیل الدین عالی کے دوہے اڑاڑ کے چسپیاں ہو رہے تھے یہ شخص کیا عمدہ شاعر ہے بات ہمارے دل کی ہوتی ہے کہتا یہ ہے آج کل اپنے کالموں میں کامیابی کے پہاڑ مع کر لکھ رہا ہے اے صاحب یہ بتاؤ کہ جس صورت حال میں ہم ہیں اس میں کامیابی کیسے ہو انسائیکل پیڈیا تو کوئی اور بھی لکھ لے گا وہ ہے اور غزلیں اور گیت تو ایسے میٹھے اور ایسے پیرے اور کوئی نہیں لکھ سکتا ہر چند کے اب عالی میاں ہم کو ائیر پورٹ پر چھوڑنے نہیں آئے تھے نہ ہمارا بستر اٹھایا تھا تاہم ہمارے اخلاق کو خوبی دیکھئے یہ یاد آتے چلے جا رہے تھے آخو ہم نے پھر اس قول متین سے کام لیا کہ جہاں رہو خوش رہو اشارہ ترک بی بی کی طرف بھی تھا ہندوستانی دیوی کی طرف بھی تھا اور جمیل الدین عالی بھی اور پھر لمبی تان کر سو گئے۔

اب کے جس بی بی نے ہمیں خواب غفلت سے جگایا بلکہ جو چونکایا یہ جاپانی تھیں یا تھائی جاپانی ہمیں خوب آتی ہے کم از کم ایک لفظ تو آتا ہے آری گاتو گزائی مشا یعنی بہت بہت شکریہ تھائی ہم کو نہیں آتی اس لئے چپ رہے وہ ہم سے نشتے کا پوچھ رہی تھیں ہم نے کہا بی بی ہم مسلمان زیادہ نہ سہی بقدر ضرورت تو ہیں بس یہ یاد رکھو کہ ہم نڈے کے ساتھ بیکن نہیں کھاتے اور پورک نہیں کھاتے بولیں اچھا تو تم پورک چاہتے ہو

ہم نے کہا نہیں o,k نہیں ہماری بات سمجھو۔

بولیں تو تم انڈے بھیچا ہتے ہو اور بیکن بھی o,k

ہم نے کہا اے مس ہم کو کچھ بھی نہیں چاہئے بس ہمارے حال پر رحم کرو سوچا ناشتہ آنے تو دو دیکھا جائے گا بے شک ناشتے میں گوشت کا ٹکڑا تھا لیکن یہ لیمب چاپ تھی ایمان بچ گیا میرے مولا خیر کی ہمارا ایمان محض سور نہ کھانے سے بچ جاتا ہے اپنے دوست ابوالخیر کشفی کی طرح ہم زیادہ تردد نہیں کرتے بچارے تین سال سے جاپان میں ہیں مرغ تک نہیں کھاتے کیونکہ وہ ذبحہ تک نہیں ہوتا انڈے کھاتے ہیں، دال کھاتے ہیں یہودیوں کی دکان سے قیمہ لاتے ہیں کہ وہ ذبحہ ہوتا ہے ہمارے مولوی محبوب عالم بھی یہی کرتے تھے۔

رستے میں سیام آیا اب اس نام کو لوگ نہیں جانتے تھائی لینڈ کہتے ہیں اور انام پر سے جہاز گزرا انام کو بھی اب لوگ کم جانتے ہیں یہ وہی خطہ ہے کہ شمالی اور جنوبی ویٹ نام میں تقسیم ہے ہم نے برسوں پہلے ایک نامعلوم چینی شاعر کی نظم کی تھی:

ملک انام سے طوطا آیا

تحفے میں
آدم کی وہ بولی بولے
میٹھی نرم
اور لوگوں نے اس کے ساتھ
وہی کیا
جو دانوں سے پڑھے لکوں سے
میٹھی بولی بولنے والوں سے دنیا میں کیا ہوا ہے

موٹی موٹی تتلیوں والا پنجرہ لے کہ
بند کیا طوطے کو اندر
لے اب بول۔۔۔لے اب بول

ٹوکیو۔۔۔ گرینڈ پیلس ہوٹل کا کمرہ ۱۸۶۸ء اسی ہوٹل میں ہم پارسال فروکش ہوئے تھے چھوٹا سا کمرہ بستر، ٹیلی ویژن، غسل خانہ، یہاں کے نئے عمدہ ہوٹلوں میں سے ہے پہلی بار کمرہ ساتویں منزل پر تھا لیکن سرموقوف نہیں ایک فلور کو دوسرے سے اور ایک کمرے کو دوسرے سے پہنچانا ناممکن ہے،

ہمارے لئے کیمونو تہ کیا رکھا ہے رات کے ساڑھے بارہ بج رہے ہیں نیند آتی ہے پر نہین آتی آئے تو کس طرح آئے کراچی میں تو ابھی ساڑھے آٹھ کا عمل ہے لوگ کھانے پر بھی نہیں بیٹھے ہوں گے آجاری نند یا آ کیوں نہ جا اچھا تو ہم کیمونو پہنتے ہیں تھوڑی دیر کو یہ فاخلانہ کتاب پڑھتے ہیں اور ایک پر مغز پاکستانی نقاد نے لکھی ہے نیند لانے کا مجرب نسخہ ہے ہماری خوراک اس کا ایک صفحہ ہے اچھا بھی نقاد صاحب تم بھی جہاں رہو خوش رہو،

ٹوکیو سے ایک خط

ٹوکیو کا ٹیلی ویژن ہمارا خیال ہے چوبیس گھنٹے چلتا رہتا ہے ہم نے تو جب بٹن دبایا تصویر نظر آئی لیکن ہر چیز جاپانی حتی کہ انگریزی فلمیں بھی اگر دکھاتے ہیں تو جاپانی میں۔۔۔ایک خاص چینل ایسا ہے جس پرا نگریزی میں پروگرام آتا ہےلیکن وہ صرف چند بڑے بڑے ہوٹلوں کے لئے ہےاس سے باہر نہیں دیکھا جا سکتا اس کو ہم دیکھ لیتے ہیں ورنہ آواز بند کر کے تصویریں دیکھتے رہتے تھے سو یہ نسخہ ہم کبھی کبھی اس سے الٹ بھی کر لیتے ہیں کہ آواز کھلی ہے تصویر کا بٹن بند ہے یہ پروگرام پر منحصر ہے کہ جنت نگاہ ہے یا فردوس گوش ہے یا دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے جاپانی فلموں کا ایک مرغوب موضوع کسی پر اسرار یتارے کی غیر انسانی مخلوق کا حملہ ہے یا کو یہ مافوق الفطرت جانور سمندر کی گہرائی سے نکلتا ہےجس پر توپیں، بندقیں بم کوئی چیز اثر نہیں کرتی ٹرینوں کوا کھاڑ کر اپنے دانتوں میں ماچس کی ڈبیہ کی طرح چبا ڈالتا ہے ان میں ہمارے ہاں بھی گوڈزیلا وغیرہ کئی فلمیں آچکی ہیں ٹوکیو کے چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔

یہاں آج کل ایک ناول دھڑا دھڑ بک رہا ہے بلکہ دس لاکھ سے زیادہ قیاس ہے کہ لوگوں میں ہراس پھیل گیا ہے لکھنے والے نے جو سائنس کا گریجویٹ ہے سائنس اور قوت متخیلہ کا ملغوبہ تیار ہے علم الارض کی تحقیقات کے حوالے دیے ہیں جاپان کے پہاڑوں کی ساخت اور پانی کے اتار چڑھاؤ کا اصلی اور سائٹیک تجزیہ پیش کیا ہے آغاز اس کا یوں ہوتا ہے کہ جاپان کے ساحلی جزیروں میں سے ایک جزیرہ جو کل تک پانی سے باہر تھا ایک روز پانی میں ڈوبا ہوا پایا جاتا ہے سائنسدان حیران اور پریشان ہوتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کا عفریت بڑھتا چلا آرہا ہے ادھر کوہ آتش فشاں کا لا پھٹنے کو ہے ٹوکیو اور جاپان میں چھوٹے موٹے زلزلے تو روز آتے رہتے ہیں اور خاصی طاقت کا زلزلہ بھی وقفے وقفے سے آتا ایک تحقیق یہ ہے کہ زور یا بدیر ایسا ہی تباہ کن زلزلہ آنے کو ہے جیسا ۱۹۲۲ء میں آیا تھا اور جس میں ٹوکیو، یوکو، ہاما کوبے وغیرہ سبھی تباہ ہو گئے تھے کوئی ڈیڑھ لاکھ آدمی مر گئے تھے اور سارا شہر نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑا تھا اب ٹوکیو میں فلک بوس عمارتیں بنتے ہیں لیکن لوہالاٹ یکجان یہ نہیں کہ جھٹکا آیا تو دو منزلیں گر گئی یا دیوار ادھر جا پڑی مضافات میں ٹوکیو سے اوسا کا جاتے ہوئے ہمنے ہلکے پھلکے مکانوں کی قطاریں دیکھیں کہ گر جائیں تو جانی نقصان کم سے کم ہو ہراس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب میں تباہی کی جو نشانیاں بیاں کی جاتی ہیں ان میں سے بعض نمودار بھی ہو گئی ہیں پہلی فروری کو وسطی جاپان میں کوہ آتش فشاں اساما جاگا مئی کے اواخر میں سائنس دانوں نے دریافت کیا کہ ٹوکیو کے نواحات میں زمین دھنستی جارہی ہے اسی روز جزیرہ بونن کے نزدیک ایک زیر آب آتش فشاں پھٹا پہلی جون کو ساحلی جزیرہ کیوشو کا پہاڑ سا کراجی بھی پھٹ کر واا گلے لگا ان شواہد کے بعض طبقوں میں ہراس پھیلنا قدرتی بات ہے بلکہ بعض لوگ دفتر جاتے ہیں تو آہن اور خود ایمر جنسی کے دوسرے سامان کا تھیلا لے کر جاتے ہیں کہ کیا جانے کب کیا ہونے والا اس کتاب کا ۴۲ سالہ کمسو ہے جو مصنف کتب کثیرہ ہے سو سے زیادہ فکشن کے ناول لکھ چکا ہے۔

ہم پچھلی بار آئے تھے تو تنا کا کو وزیر اعظم بنگئے تھے تو لوگ ہمیں اس کا کریڈٹ نہیں دیتے تو مضائقہ نہیں اب کے ٹوکیو کی شہری حکومت میں ہم نے کمیونسٹوں کو جتوایا اکثریت تو خیر نہیں ہوئی لیکن سیپٹن لوگوں کی توقع سے کہیں زیادہ ملیں یعنی ۱۲۴ اس کے اثرات پر خوب قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں تبدیلی اس سال

میں یہ ہوئی کہ ڈالر گر گیا پہلے ایک ڈالر میں پانچ روپے ہوتے تھے اب دس روپے ہونے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ٹوکیو جو ویسے ہی دنیا کا سب سے مہنگا شہر تھا ہمیں اور مہنگا لگنے لگا ہمارا ایکسوٹ وہ بھی ٹھنڈا سفر میں پڑے پڑے ذرا شکن دا رہو گیا ہے ہم نے استری کرانے بھیجا تو ۳۲ روپے کے برابر آیا سوٹ کی ڈائی کلینگ کے ۴۸ روپے ہوتے ہیں اور اگر آپ ذرا شوقین یعنی تھری پیس پہننے والے ہیں تو ۶۰ روپے دیجئے ٹائی پانچ روپے میں ڈرائی کلین ہوتی ہے اور ٹائی پر استری دو روپے میں کرائی جاسکتی ہے یاد رہے کہ یہ ٹوکیو کا سب سے بڑا ہوٹل نہیں ہے بلکہ اچھا ہے لیکن اس سے بھی اچھے اور ہیں یہ نیا ہے اور مرکز شہر سے کچھ دور ہے لہذا نسبتا سستا ہے پھر یونیسکو کے مہمانوں کے لئے یہ خاص رعایت بھی کرتے ہیں غالبا ۲۵ یق ۳۰ فیصد پھر بھی رعایتی کرایہ ایک سوا اسی رو] پے روز ہے خست کر کے بغیر انڈے کا ناشتہ جو ہم لیتے ہیں کم از کم بیس روپے کا ہوتا ہے ٹوکیو سے گردن پھیر کر اپنے ملک کی طرف ہم دیکھتے ہیں تو ہر چیز سستی لگتی ہے۔

بس یا ٹیکسی کے لئے قطار لگانے کا جنوں انگلستان میں یتوا یسا کہ مشور ہے ایک آدمی ہو تو بھی قطار بناتا ہے ٹوکیو میں بھی قطار بنتے ہیں ہم نے دیکھا کہ لوگ کھڑے ہوتے جاتے ہیں یہ لمبی خوبصورت قطاریں بن جاتی ہیں لیکن جونہی بس آتی ہے سب سلیقہ بھول قطار توڑ اس پر پہلے سوار ہونے کے لئے پل پڑتے ہیں ہم نے اطمینان کا سانس لیا کہ کچھ نہ کچھ تو مشرقیت کی روح ان لوگوں میں باقی ہے بالکل کرسٹان نہیں ہو گئے۔

تم آؤ گے تو کیا لاؤ گے، ہم آئے تو کیا دو گے

تحفے دینے دلانے کی رسم ہمارے ہاں بھی ہے اور پرانی ہے کسی کے ہاں گئے تو لڈو لیتے گئے اس سے تعلقات میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے اور ازاں بعد آپ جب تک چاہیں میمان ٹھر سکتے ہیں ویسے اس میں جتنا گڑا تنا میٹھا اصول ہے بیچ میں میزبان کی نگاہیں بدلتی نظر آئی تو مزید لڈو لے جائے اس پنجابی ٹپے کا کچھ خیال نہ کیجئے کہ۔

کچی یاری لڈواں دی

لڈو مٹ گئے، یارانے ٹٹ گئے

کسی بچے کے ہاتھ میں نقد بھی تھمانے کا رواج ہے کبھی کبھی بڑوں کے ہاتھ میں بھی نقد تھمانے کا موقع آتا ہے خصوصا جب کہ وہ کوئی اہلکار ہو اور اس سے کوئی کام اٹکا ہوا ہو بعض لوگ اسے کچھ اور نام بھی دیتے ہیں لیکن میاں آزاد لوگوں کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی ہم تو اسے تحفہ ہی گردائیں گے چیز کو دیکھنا چاہئے نیت کو نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اس کا حال صرف خدا جانتا ہے عید پر ہمسایوں کو سویاں بھیجتے ہیں تا کہ وہ ہمیں شیر خوما بھیجے بقر عید پر چھانٹ چھانٹ کر بوٹیاں بھیجتے ہیں چھانٹتے اس لئے ہیں کہ کہ کہیں کام کی بوٹی نہیں کسی کہ ہاں چلی جائے ہاں اہل مغرب کے ہاں بھی تحفہ دلانے کی رسم ہے لیکن روز ابر شب ماہتاب میں کرسمیں پر تحفوں کا تبادلہ بھی کرتے ہیں ورنہ آپ نے کوئی چیز دی اور انھوں نے تھینک یو کہہ کر رکھ لی،

وصل کی صبح پہلو ئے بت سے

اٹھ گئے یار تھینک یو کہہ کر

ظالم یہ تک نہیں کہتے کہ ارے صاحب کیوں تکلف کیا اس کی کیا ضرورت ہے

لیکن جاپانیوں کے لئے تحفے کی رسم طرز حیات ہے بلکہ بمنزلہ مذہب کے ہے ان کی ساری اس شغل عزیز میں گزرتی ہے اور بعض لوگ تو اس چکر میں دیوالیہ بھی ہوجاتے ہیں یا ہانگ لگانے سنائی دیتے ہیں میں تیرا شہر چھوڑ جاؤں گا ابتداء اس کی معمولی ہوتی ہے کہ آپ نے رومال تحفے میں دیا انھوں نے جواب میں ٹائی پیش کی اگلی بار ٹائی سے زیادہ قیمتی چیز دے گے مثلا واسکٹ اور جواب میں آپ کو سوٹ ملے گا اب اس سوٹ کو آنگ کر اگلی بار یا تو سونے کا کنٹھا پیش کیجئے یا شہر چھوڑ جاہئے اس صورت حال سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ بیچ میں کوئی بہانہ نکال کر تعلقات خواب کر لیجئے تم اپنا منہ ادھر کر لو ہم اپنا منہ ادھر کرلیں۔

تحفے کے بارے میں ہمارا اپنا اصول وہ ہے جو پنڈت کیفی دہلوی نے اپنے ایک مصرع میں بیان کیا ہے۔

تم آؤ گے تو کیا لاؤ گے　　　ہم آئے تو کیا دو گے

پس جب جاپانی دوستوں سے ہمارا ربط ضبط شروع ہوا یعنی ان میں کچھ اصحاب آج سے سال پہلے ہمارے

ہاں آئے تو دو تین تحفے بھی لائے ہم نے رکھ لئے کہ ہاں بھی ان کا فرض تھا اتنی دور سے آئے ہیں کیا تحفے بھی نہ لاتے تھینک یو بھیکہا یا نہیں یہ ہمیں یاد نہیں کیونکہ خاصی پرانی بات ہے پھر ہم جاپان گئے تو سلام محبت اور خیر سگالی کے جذبات تو ہمارے پاس وافر مقدار تھے اسباب دینوی میں سے کوئی چیز بطور تحفہ ساتھ نہ تھی بایں انھوں نے ہمیں رخصت کیا تو کچھ دے دلا کر کیا بے شک ان کی وضعداری ان کے ہماری وضعداری اور پنڈت کیفی کا شعر ہمارے ساتھ تاہم دوبارہ جانا ہوا تو ہم نے بھی سب کے لئے کچھ نہ کچھ خریدا اور پیش کیا،

جاپانی مادہ پرست لوگ ہی اس لئے ان کے تحفے بھی مادی قسم کے ہوتے ہیں کوئی تصویر دے دی کوئی سگارف دے دیا کوئی ریڈیو دے دیا کوئی دن میں یہ چیزیں ٹوٹ پھوٹ کر یا گھس گھسا کر برابر ہو جاتی ہیں اس کے مقابلے میں ہم روحانیت اور جذبات کی دولت سے مالا مال ہیں اس لئے کسی کو کم سے کم تحفہ بھی دیتے ہیں تو دل دیتے ہیں

لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

یا پھر جان ہے جس کو دیکھو قوم کے لئے جان قربان کرنے پر تلا ہوا ہے اگر کوئی کہے کہ صاحب جان اپنے پاس رکھو کوئی روپیہ دھیلا دے دو سخن کہ روپیہ تو ہاتھ کی میل ہے اسے کیسے دیں شروع میں ہم نے بھی جاپانیوں کو تحفے میں دل و جان ہی پیش کئے تھے لیکن دیکھا کہ اس کی کماحقہ قدر نہیں بلکہ گمان ہوا کہ اسے ہماری خست پر معمول گیا جارہا ہے تو مرتبان اور تھال وغیرہ خویدنے پڑے اس لحظ سے ہمارا ملک اچھا ہے دل و جان سے کام چل جاتا ہے بلکہ ہم شاعر اور عشق پیشہ لوگ تو اپنے ساتھ دلوں کی پوٹلی رکھتے ہیں جہاں اچھی صورت دیکھی ایک نکال کر ادھر پھینکی لینے والا بھی خوش پیسے الگ بچے ہم چانکہ مصنف بھی ہیں کبھی کبھی دل کے ساتھ کتاب بھی نزر کر دیتے ہیں اس میں ہمرا یہ فائدہ یہ ہے کہ کتاب کا ایڈیشن نکل جاتا ہے ہماری ساری کتابوں کا پہلا ایڈیشن اسی طرح تو نکلا ہے کتانیں خویدتا کون ہے۔

ایک شکایت ہمیں اپنے ملک والوں سے بھی ہے سبھی مذہب ملکوں میں دستور ہے کہ تحفہ دیتے ہیں تو سلیقے سے باندھ کے دیتے ہیں بعض اوقات تو اتنی خوبصورت پیکنگ ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ تحفہ پھینک دیں ڈبہ رکھ لیجئے طرح طرح کے ڈبے لفافے، ڈوریاں، فیتے، پات، پھول ایک سے ایک دیدہ ذیب وہاں اس بات کی با قاعدہ ترنیت دی جاتی ہے کہ کاغذ کو کس طرح سے تہہ کیا جائے فیتے کا رنگ کیا ہو اس کو گرہ کس طرف دی جائے خاصا علم دریاؤں ہے سلیقے کی انتہا ہے ادھر ہم اپنی اسمال انڈسٹریز کی ہینڈی کرافٹ شاپ میں جتے ہیں تو سیلز مین دانت نکال دیتا ہے کہ صاحب یونہی جیب میں ڈال لیجئے ورنہ یہ لیجئے براؤن کاغذ کا لفافہ ہے اسمیں ڈال لیجئے یا آج کے اخبار میں باندھے دیتے ہیں اسمیں آپ کا کالم بھی ہے جس کے پاس تحفہ جائے گا اس بہانے آپ کا بھی کالم پڑھ لے گا اب کہ جو ہم گئے تو ہماری طبیعت بہت جھنجھلائی ہم نے ان لوگوں کو بہت سخت سست کہا کئی بار لکھ کر شکایت کی ہے پھر بھی یہ حال ہے جواب ملا کہ صاحب ہمارے افسران بہت کفایت شعار ہیں کہتے ہیں کہ خوبصورت کاغذ اور ڈبہ دیں تو لاگت بڑھ جائے گی ہم نے کہا حضرات روپیہ دو روپیہ زیادہ ہو جائیں تو مضائقہ نہیں یہ دکانیں ٹرسٹوں کے لئے ہیں غریب غرباں یہاں نہیں آتے جو شخص پچاس روپے کی چیز لے گا وہ دو روپے اوپر بھی دے دے گا ہم ٹورزم کے محکمے کو کو دہائی دیتے ہیں کہ صاحبو نکتہ کو سمجھو اور سمجھاؤ تحفے کے ساتھ پیکنگ اچھی ہو تو لینے والے کا دل خوش ہوتا ہے اور دینے والے کی عزت رہ جاتی ہے ہم نے ائیر پورٹ کی دکان سے یہ چیزیں خویدیں تو ایسے ہی ننگی بوچی ملیں بعض اوقات تو ان کے پاس براؤن کاغذ کا لفافہ بھی نہیں ہوتا۔

تحفہ لے کرشکریہ کے آداب بھی جاپانیوں سے سیکھنے چاہئیں وہ کھول کر نہ دیکھیں تب بھی کہیں گے کہ صاحب بہت عمدہ ہے کمال کی چیز ہےکوئی کھانے کی چیز پیش کیجئے تو اسے چکھنے سے پہلے ہی آپ کا جاپانی دوست رطب الانسان ہو جائے گا کہ صاحب بہت لذیذ ہے بہت مزے کی ہے۔

لاتے ہیں سرورِ اول، پیتے ہیں شراب آخر

جاپان کشفی صاحب کا

ہمارے دوست ابوالاخیر کشفی جواد کامیں پڑھاتے تھے پاکستان واپس تشریف لے آئے ہیں جاپان میں وہ کئی چیزیں پڑھاتے تھے طالبعلموں کو اردواوراسلامیات اور باقی جاپانیوں کوپٹی پاکستان کی پٹی سناہے پڑھانے کی مدیں ان لوگوں کے نکاح بھی پڑھادیتے ہیں جن کوبے کے امام مسجد مایوس کرکے واپس بھیج دیتے ہیں اشاعت اسلام سے کوبے کے امام مسجد کو بھی اتنی ہی دلچسپی ہے جتنی کشفی صاحب کو ہے لیکن ان کا کہنا تھا کہ جو شخص میرے دست حق پرست پراس جمعے کواسلام قبول کرتاہے اگلے جمعے سہرابا ندہ کے آتاہے کہ حضرات اب نکاح بھی پڑھادیجئے ان لوگوں کومسلمان کرنے کا کیافائدہ جاپانیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خود بھی سچ بولتے ہیں اوردوسروں کو بھی سچا سمجھتے ہیں اگرآپ کہیں کہ میں جارج پنجم کاداماد ہوں تو بھی مان لیں گے بلکہ فورابازار سے تحفہ لینے دوڑیں گے پچھلے دنوں ایک صاحب ان کے پاس گئے کہ حضرات مولانا مجھے اسلام کے دائرے میں داخل کرلیجئے بے حد ممنون ہوں گابسم اللہ کرکہ پوچھ سکتاہوں کہ مسلمان کیوں ہونا کیوں چاہتے ہو کوئی اور ہوتا تو اسلام کی وحدانیت ،اور حقانیت کی بات کرتا عاقبت کی فلاح کا ذکر درمیان لاتا لیکن ان صاحب نے کہا کہ حضرت مجھے میری کمپنی بزنس کے لئے سعودی عرب بھیج رہی ہے وہاں خاصے دن رہنا ہوگا مسلمان ہوجاؤں تو آسانی رہے گی امام مسجد نے انکارکردیااوریوں خاصے اور جاپانمیں فرزان اسلام میں ایک کا ضافہ ہوتے ہوتے رہ گیا،

کل کشفی صاحب کراچی کے جاپانسنٹر میں اپنے سہ سال قیام جاپان کے تجربات پر گفتگو کر رہے تھے اہل ذوق کابہت بڑامجمع تھاخواتین بھی بہ تعداد کثیرتھی لہذابعض بدگمانوں ہواکہ کشفی صاحب صرف گفتنی کودرج گزٹ کررہے ہیں اپنے احوال اور اشغال کی پوری تصویر نہیں کھینچ رہے یہ لوگ منتظر تھے کہ اب ذکر گیشاؤں کاآتاہے نائٹ کلبوں کے اسرارنہاں فاش ہوتے ہیں ساکی اور ساقی کی گفتگو کا آغاز ہوتاہے بغنے توراں ٹپکائے کے لئے گلے میں بب باندھے کے بھی آئے تھےلیکن نہ ہواہم یقین دلاتے ہیں کہ انھوں نے کچھ چھپا کر نہیں رکھاہمارے دوست ہونے کے باوجود نیک معاش آدمی ہیں اوساکامیں ہم ان کے گھر فروکش رہےہم جتنے دن وہں رہے وہ خودنماز پڑھتے رہے اور ہمیں دال بھنڈیاں کھلاتے رہےایک روز ہم نے مشتاق احمد یوسفی کاقول نقل کیاکہ چند دن متواتر ویشنو بھوجن کرتے رہیں یعنی دال اور سبزی کھائیں تو ہمارااسلام پراعتقاد کمزور ہونے لگتاہے اور ہندو ہونے کی سوچنے لگتے ہیں اگرچہ فقہ کی کتابوں میں نہیں آیالیکن اسلام کا چھٹارکن گوشت خوری ہے ہماری یہ بات سن کروہ آبدیدہ ہوگئے بولے بازار میں گوشت ہوتاہے وہ ذبیحہ نہیں ہوتا اس پراللہ اکبراور بسم اللہ وغیرہ نہیں پڑھی ہوتی لہذامیں نہیں کھاتا کوبے میں ضرور حلال گوشت ملتاہے لیکن کوبےکوئی تیس میل کی مسافت ہے ہمارا خیال ہے وہ بھنڈی کی گردن کاٹتے وقت بھی تکبیر پڑھتے ہیں ویسے بھنڈیوہاں یہاں گوشت سے بھی مہنگی ہے ایک روپے کی ایک بھنڈی سمجھئے ہم نے قیمت سن کراس کو گوشت سمجھ کے کھاناشروع کیاتب کہیں اسلام کا تھوڑاسانور ہم میں واپس آیا۔

زیادہ تردد تو خیر ہم بھی نہیں کرتے اور ہمارے ہاں بھی مسلمانی در گو رہتی ہے لیکب دوسری قوموں کے ہاں تو مذہب نرا تبرک ہے کچھ جنتر، منتر، کچھ شادی اور ۳۲ تجہیز و تکفین کے آداب تھوڑا سا دھندلا سا موہوم سا اللہ میاں جاپان کی کل آبادی نو دس کروڑ ہے ایک صاحب نے کشفی صاحب سے سوال کیا کہ اسمیں سے بودھ کتنے ہیں اور نشوان کا پرانا مذہب ہے بودھ ہو کر بھی اس سے مروت کا رشتہ وہ ایسا ہی رکھتے ہیں جیسی مرزا غالب نے تمنا کی تھی۔

تم جانو غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے جو رہو کیا گناہ ہو

ہمارے ہاں نئے بنئے کا قصہ مشہور ہے کہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن کوئی بات بت نظر آئے تو اس کو بھی ماتھا ٹیک لیتا تھا کسی نے کہا یہ کیا دو عملی ہے فرمایا کیا ہرج ہے ہم صلح کل بوپاری آدمی ہیں تعلقات کسی سے خواب نہیں رکھنے چاہئیں کیا پتہ کل ان سے کام پڑ جائے۔

کیوٹو میں ہم نے لکھنو کا محرام الحرام بھی دیکھا یہ بات۔۔۔ چہ گفت است سعدی در زلیخا کی سی نہیں ہے۔

کوا اندھیری رات میں دن بھر اڑا کیا

کا لطیفہ ہے ۱۶ جولائی لو کیوٹو شہر میں جس میلے کا آغاز ہوتا ہے اسے کہتے تو گیون ہیں لیکن ہمیں رتن ناتھ سرشا دیاد آئے اور لکھنو کے محرم الحرام کے باب میں ان کا بیان یاد آیا میاں آزاد اپنی ترنگ میں ادھر جا نکلے تو دیکھتے ہیں وہ بھیڑ وہ ریل پیل کہ عیاذ اللہ تعالی پھینکو تو سر ہی سر جائے شانے سے شانہ چھلتا ہوا ہوا جب بعد خوابی بصرہ کہیں گزر پائے تو ضیق النفس ہو جائے۔

یہاں وی دھوم دھام تھی وہی از دہام تھا مشتاق سخن خلق چلی آتی تھیں آپ ہجوم میں ایک بار پھنس گئے کہ فٹ ہو گئے ادھر ادھر ہلنا ناممکن تھوڑے سے نہ ہم فاصلے پر تعزیے بھی کھڑے تھے صاحبوان تعزیوں کا سلسلہ اعزاری سے نہ ہم ملے ہیں نہ تم ملا نا ان لوگوں کو سبھی غم ہیں غم حسین کے سوا یہ دو منزلہ کھٹولے ہوتے ہیں زرق برق کاغذوں اور جھنڈیوں سے آراستہ ان کو کاندھوں پر اٹھاتے ہیں ریڑھوں پر گھماتے ہیں اور ثواب کماتے ہیں لوگ نذریں بھی دیتے ہیں اور پھر ان کو ایک خانقاہ میں لے جا کر ٹھنڈا کیا جاتا ہے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ہماری تو ہمت نہ ہوئی ہمارے ساتھ مع کشفی صاحب کے قطاریں میں لگ کر ان کے اوپر گئے جہاں کچھ ناؤش نوش، باجے گاجے، کا سامان بھی تھا ان لوگوں نے پیسے نذر کیے اور تبرک پایا کچھ آپ کھایا کچھ ہمیں چکھایا یہاں کئی درگاہ ہیں لیکن سامنے سڑک کے اس سرے پر جو خانقاہ ہے لوگ یہاں آئے ہیں درختوں پیڑوں کی شاخوں سے تعویز باندھتے ہیں مرادیں مانگتے ہیں منتیں مانگتے ہیں مکھانے خویتے ہیں کچھ چڑھاتے ہیں کچھ تقسیم کرتے ہیں یہ میلہ کئی روز کا ہے اور اس کی بڑی پرانی تاریخ ہے لیکن ہم تاریخ کے آدمی نہیں ہیں اتنا بتا دیں کہ بات صدیوں پرانی ہے اس شہر غدار میں کہ ٹوکیو سے پہلے یہی دارالحکومت تھا بلکہ گزشتہ صدی تک جاری رہا ایک بار طاعون کی وبا پھیلی صفایا ہو گیا لوگوں بے رد بلا کے لئے جنتر منتر پڑھے گنڈے تعویز کئے اور یہ کھٹوئے تیار کئے القصہ جہاں تک روحانیت اور ڈھلمل یقینی کا تعلق ہے یہ ٹرانسٹر اور کمپیوٹر بنانے والے کسی سے کم نہیں ہیں۔

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت جاپانیون کا مشینوں پر اتنا سا انحصار ہے کہ ہر چیز انہی سے کرتے ہیں بلکہ ان کے بغیر نہیں کر سکتے اگر کسی جاپانی سے کہیں کہ دور اور دور کتنے ہوتے ہیں تو وہ کہے گا

کہ کمپیوٹر لاؤ اس پر حساب کرتا ہوں اس کے بغیر کیسے بتا سکتا ہوں خد کشفی صاحب بھی ان کی صحبت میں ایسے ہی ہو گئے ہیں ایک صاحب نے پوچھا کہ آپ جاپان میں کتنے سال رہے انہوں نے جیبی کمپیوٹر نکال کر ۱۹۷۳ء میں سے ۱۹۷۰ء کو منہا کیا اور جواب دیا تین سال۔

ہمارے کشفی صاحب نے تو وہاں جاپانی زبان میں زیادہ کمال نہیں پیدا کیا ہاں ان کے بیٹے عاکف خوب فر فر بولتے ہیں عاکف نے ہمیں ن را دکھایا جاپان کا قدیم ترین دار الحکومت اس کے پرانے مندروں کی سیر کرائی نارا کے غزالوں میں گھمایا اور ڈریم لینڈ پھیرایا یہ ایک جگہ ڈرائی لینڈ کے نمونے کی نارا شہر میں جس کے مختلف حصے ہیں جنگل، لینڈ ایڈونچر لینڈ اور نا جانے کیا کیا لینڈ، ایک مونول بھی ایک مصنوعی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھتی ہے اترتی ہے زوں کر کے برق رفتاری سے فراز سے نشیب میں آتی ہے تو خوف کے مارے آنکھیں کھلی رکھنا مشکل ہوتا ہے اسعزیز کی خاطر سے بیٹھ گئے اور عاکف میاں کے ہاتھ بھی ہماری کمر میں حمائل تھے لیکن یہ لگتا تھا کہ اب گرے اب ہمارے پر نیچے اڑے ہم نے کہا خداوند اب کے جان بچالو آئندہ ایسی حرکت نہ کریں گے واقعی نہ کریں گے۔

کشفی صاحب کا محلّہ دیکھا جہاں سے وہ ناشتہ لیتے ہیں جہاں سے پھل لیتے ہیں سبزی لیتے ہیں جہاں سے جوتا گھاٹاتے ہیں بالکل ہمارے ہاں کا قصباتی خلوص ماحول تھا اور دعا سلام کے قصباتی تعلقات تھے اور غیر شہری قصباتی خلوص بڑی محبت کے لوگ تھے کشفی صاحب کے السنہ خارجیہ کے انسٹی ٹیوٹ میں پروفیسر کان کگایا کے ملنے گئے جو اردو کے عالم اور فارسی کے فاضل ہیں اور ان کا کام دیکھ کر خوشی ہوئی یہیں ایک مہاشہ جی ملے ہم سے برج بھاشا میں باتیں کرتے ہیں بعد میں پتہ چلا یہ بھی جاپانی ہیں ہندی پڑھاتے ہیں ٹوکیو میں ہمارے دوست سوزو کی قاکشی پڑھاتے ہیں یہ واقعی پروفیسر مسا اور فروفیسر گاموکی روایات کے وارث ہیں یہاں کراچی یونیورسٹی میں پڑھے ہیں پروفیسر سوزو کی اور کان کگایا نے ہمارے ادب کو ان نئے نئے زاویوں سے دیکھا ہے جن کی ابھی تھ ہمیں توفیق نہیں ہوگی۔

www.HallaGulla.com

جاپان

جولائی ۱۹۷۴ء

Virtual Home for Real People

جاپان جایئے تو لالٹین لے کے جایئے

جب کبھی ہم سفر پر نکلتے ہیں کچھ لوگ ہمیں خوش رہو کچھا اپنے عزیزوں کے نام اس قسم کے خط دیتے ہیں کہ عزیز انعام الحق طالعمرہ جاہل رقعہ ہذا اپنے ہی آدمی ہیں ان کے ہاتھ چار سیر اچار آم کا اور سیر بھر مونگ پھلی تمہارے لئے بھیج رہا ہوں واپسی میں دو تھان جارجٹ کے تین گھڑیاں اور ایک استری بجلی کی بھیج رہا ہوں اور ہاں اپنے قیام اور طعام کا بندابست یہ ٹوکیو میں خود کریں گے تم کو تردد کرنیکی ضرورت نہیں کچھ دلاسی دیتے ہیں کہ دیکھنا گھبرانا نہیں جہاز کی سیٹ پر بیٹھ کر پٹی ضرور باندھ لینا اور اللہ ہو اللہ ہو کی ضربیں گاتے جانا آج کل جہاز بہت گر کر تباہ ہو رہے ہیں لیکن موت سے گھبرانا نہیں چاہئے،

نشان مرد مومن با تو گو یم
چو مرگ آید تبسم برلب ا وست

اب کے جو ہم چلے تو عالی صاحب شہر میں نہ تھے حج پر گئے ہوئے تھے وہ دیکھیں گے گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے ہم ان کی سعادت پر رشک اور اپنی دنیاداری پر نفرین کر رہے تھے کہ موقع دیکھ کر دوسرے ناصحاق مشفق نے گھیر لیا کہ جاتے ہو کس طرف کو کدھر کا خیال ہے اتفاق سے اب کے مشورے کی گنجائش بھی زیادہ تھی کیونکہ تیل کا توڑا یعنی ابرجی کا کرائسس چل رہا ہے ایک صاحب نے کہا اے میاں لحاف رکھ لیا ہے ہم نے کہا وہ کاہے کو ہوٹل میں ٹھرنا ہے وہاں کمبل اور لحاف کا بندوبست ہوتا ہے فرمایا وہ کافی نہیں رہے گا میری مانو تو ایک گانگڑی بھی گلے میں لٹکا لو اور ہفتے بھر کے لئے کوئلے پوٹلی میں باندھ لو میں سرینگر میں گلے میں گانگڑی لٹکائے رہتا ہے سردی پاس نہیں پھٹکتی تھی ہم نے کہا اے صاحب پہلے تو ٹوکیو میں کمروں کو خوب گرم رکھتے ہیں اب بھی کچھ نہ کچھ تو رکھیں گے ہی بولے میرے ایک جاننے والے کے جاننے والے پچھلے دنوں ٹوکیو سے آئے تھے وہ ۃ ہوٹل میں ٹھرے تھے ان کا بیان ہے کہ ہوٹل والے سرشام مسافروں کو کمرے سے باہر نکال دیتے تھے کہ باہر جا کر لکڑیاں یا درختوں کی ٹہنیاں اکٹھی کر کے لاؤ اپنے کمرے گرم کرنے کے لئے بھی اور ہمارے باورچی خانے کے لئے بھی ورنہ کھانا نہیں ملے گا ایک کرم فرما تو لالٹین بھی اٹھا لائے کہ آجکل جاپان میں بجلی کی کفایت کا حکم ہے اسے لے جاؤ ورنہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئے مارتے پھرو گے تیل ڈالواؤں یا خود ڈالو گے۔

ہم نے یہ مشورے نہیں مانے اور خوش خوش جہاز میں جا بیٹھے وہاں ہمارا وہی حال ہوا جو بزرگوں کے مشورے نہ ماننے والوں کا ہوتا ہے اے صاحبو ٹوکیو کے ہوائی اڈے پر تو روشنی کی رونق خاصی تھی لیکن جب شہر کو چلے تو افسوس ہوا کہ ان بزرگ کی لالٹین کیوں نہ لے لی ہوٹل تلاش کرنے میں خاصی وقت ہقئی کیونکہ اس کینام کی روشنیاں تک گل کر دی گئی تھی ہم تو ماننے کو ہی تیار نہ تھے کہ یہ ہوٹل ہے لیکن ہمارے دوست امان اللہ سردار ٹوکیو میں ہی رہتے انھوں نے اس کا دروازہ دریافت ہی کر لیا رات کو جب ہوٹل میں سردی لگی اور بخار ہوا تو گانگڑی والے بزرگ بھی یاد آئے وہ بات البتہ مبالغے سے خالی نہ تھی کہ مسافروں کو لکڑیاں چننے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے کم از کم ہمارے ساتھ یہ نہیں ہوا۔

آکاسا کا پرنس ہوٹل۔۔۔بارے ہٹل کا کچھ بیان ہو جائے ہوٹل کیا ہے بھول بھلی کا ایک لمبا

سلسلہ ہے خاصی پرانی چیز ہے ہم اپنا نام درج کرا کے پہلے ایک غلام گردش میں گئے وہاں سے دہنے ہاتھ دوسری میں مڑے اس کے بعد یک لخت ایک بہت پتلا سا نشیبی راستہ آ گیا اسمیں جا کر آگے دوبارہ بائیں ہاتھ اور ایک بار دہنے ہاتھ مڑے تو ۱۱۷ نمبر کا کمرہ آیا بیرے نے کہا اے جناب بھلے وقتوں میں یہ شاہ کوریا کا محل ہوا کرتا تھا آج کل ہوٹل ہے اب بات ہماری سمجھ میں آ گئی سامنے کے ضصے میں جہاں پناہ رہتے ہوں گے اور اس کمرہ ۱۱۷ میں اپنے ہاں کے اپوزیشن لیڈروں کو الٹا لٹکا کران کی مومیائی نکالتے ہوں گے اوپر چھت میں ایک کنڈا بھی تھا ہمیں رات بھر وحشناک خواب آتے رہے کہ الٹے لٹکے ہیں اور ٹپ ٹپ مومیائی نکل رہی ہے۔

چونکہ یہ زیادہ جمہوریت کا اور عوام کا زمانہ ہے لہذا ہوٹل بنانے کے بعد اس کا ماحول غریبانہ کر دیا گیا ہے تاہم شاہی کی رعایت کچھ نہ کچھ اب بھی موجود ہے مثلاً قیمتیں شاہانہ ہیں کوکا کولا پانچ روپے کا، چائے کی پیالی تیرہ روپے کی وہ ایک روز ہماری کی وجہ سے ہم کھانا کھانے کے قابل نہ تھے اسلئے روم سروس کو فون کیا کہ ایک پیالہ چکن سوپ کو بھیجو فرمایا نہیں ہے ہم نے کہا ٹماٹو سوپ سہی ارے کچھ تو پیٹ میں جائے اس سے بھی انکار ہوا ہم نے کہا اچھا جو دال دلیہ ہے وہ بھیج دو انہوں نے پانی گرم کر کے نمک ڈال کے بھیج دیا کہ صاحب ہاٹ کنسومے سوپ حاضر ہے ناچار نوش جان کیا اسکا بل تھا ۵۰۰ ین ۵۰ ین سروس چارج لگاتے ہیں ہی ہیں ہمارے پاس بیس روپے یہاں ہوٹل کے ایک سے زیادہ ایک اور چیز ہے گریجویٹی ٹیکس یعنی اللہ کے نام کی خیرات یہاں ہمیں اس تقریب سے اسی خیرات کرنی پڑی کہ خود خیرات مانگنے کے قابل ہو گئے یہ حال تو دوسرے درجے کے ایک چھوٹے ہوٹل کا ہے بڑے ہوٹلوں کی باتیں اور بڑی ہوں گی ہمارے اس کمرے کے داموں پر تو سروس چارج لگاتے ہی ہیں اس سے زیادہ ایک اور چیز گریجویٹی ٹیکس اللہ کے نام خیرات کرنی پڑی کہ خود کہ خود خیرات مانگنے کے قابل ہو گئے یہ حال تو دوسرے درجے کے ایک چھوٹے ہوٹل کا ہے بڑے ہوٹلوں کی باتیں اور بڑی ہوں گی ہمارے اس کمرے کے اندر انگریزی میں جو نوٹس ہے معلوم نہیں وہ شاہ کوریا جاتے ہوئے لگا گئے تھے یا بعد میں ہوٹل والوں نے لگایا ہے بہر حال اسے پڑھ کر ہم بہت گھبرائے پہلی نظر میں مطلب یہی سمجھ میں آیا یہاں ہم کو بند کر کے تالا لگا یا دیا جائیگا اور دریں اثنا دوسرے میمانوں یعنی ہوٹل کے مسافروں کو آگ می بھونا جائے گا آگ سے بچنے کے لئے ہوٹل کے عملے کو خود کس راستے سے بھاگنا چاہئے اس کے دریافت کرنے کی ذمہ داری بھی ہوٹل والوں نے ہم پر ڈال دی تھی اس میں کچھ قصور ہماری فہم کا بھی ہو سکتا ہے لیکن اصل عبادت آپ خود ملاخطہ فرما کر منصفی کیجئے۔

you should be locked the door even
if you are in the room or out of it
especially in bed and for the other
guest special care will be required
by a fire ask and confirm yourself
0the position of the exit for room staff

گھوڑوں کی ضرورت ہے

ہم نے پچھلی بار جاپان سے آ کر ایک مضون لکھا تھا کہ ضرورت ہے جاپان کے لئے ایک گدھے کی اس پر ہمیں جاپان بھجوا دیجئے ہمیں بہت سے خط آئے وضاحت کرنی پڑی کہ صاحبو گدھے مت بو بات سمجھنے کی کوشش کرو وہاں تمہاری نہیں بلکہ سچ مچ کے گدھے کی یعنی جانور کی ضرورت ہے چڑیا گھر کے لئے جاپانیوں کا خیال تھا کہ جاپانی بچے چڑیا گھر میں گدھا دیکھیں گے اور ان کو معلوم ہوگا کہ یہ پاکستان سے آیا تو وہ اس سے رشتے سے پاکستان سے بھی تعارف ہوں اور پاک جان دوستی کا راستہ کھلے گا لیکن ہمارے ہاں کے لوگوں نے ہچر مچر کی اور کہا کہ اونٹ منگوالو بکرا منگوالو کچھ اور منگوالو گدھے پر اصرار کرو جاپان والے مایوس ہوئے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ جب ان کے پاس اتنے گدھے ہیں تو ایک ہمیں دینے میں کیا حرج ہے بہرحال مژوہ ہو کہ اسپین نے گدھا بھیج دیا اور پاکستان کی گلوخلاصی ہوگئی ہے اب فرمائش یہ ہے کہ گھوڑا بھیجو بلکہ گھوڑے چلئے کچھ ترقی ہوئی گدھے سے گھوڑے پر تو آئے۔

جاپان میں آدمی زیادہ ہیں اور رقبہ کم ہے چپے چپے کو کام لانا چاہتے ہیں بعض درکار ہوں گے پ جاپان کے ایک ادارے نے ہمارے نمائندوں سے کہا ہزار گھوڑے لاؤ اور منہ مانگے دام پاؤ گھوڑوں سے ہمارے آباؤ اجداد کو نسبت خاص رہی ہے بحر ظلمات تک میں گھوڑے دوڑا دئے ڈوب جائیں تب بھی ہرج کی بات نہ تھی وسط ایشیائسے مزید آجاتے ہیں گھوڑوں کی دمیں پکڑے پکڑے ہندوستان آئے اور یہاں نہ صرف سلطنیں قائم کیں بلکہ گھوڑوں اور گھوڑا سوار کے بل پر خوش اسلوبی سے کئی صدیوں تک چلائیں یہاں تک کہ سوتے بھی گھوڑے بیچ کر تھے اب گھوڑے کا زمانہ نہیں تانگے میں جتتا ہے یا دولہا سہرا باندھ کر اس پر چڑھتا ہے وہ بھی اس لئے کہ لڑکیاں میرا گھوڑی چڑھیا گا سکیں موٹر پر چڑھنے کے گیت ابھی ایجاد نہیں ہوئے۔

قصہ مختصر ہمارے ہاں کے ایک صاحب نے اس کی بھنک پائی اور ان پر ایسی دھن سوار ہوئی کہ زانوں کو خواب میں بھی یہی بڑبڑاتے تھے کہ اب تو مین امیر کبیر ین بن جاؤں گا ایک گھوڑے پر ہزار ڈالر، ڈیڑھ ہزار ڈالر منافع ہوا تو دس ہزار گھوڑے پر کتنا منافع ہوگا یہ حساب لگانا کسی پاکستانی کے لئے آسان نہیں لہذا بیچاروں کو ایک چھوٹا سا کمپیوٹر خویدنا پڑا ادھر کسی نے بھاجی ماری کہ اے صاحب جاپانیوں کا اپنا سلوتری ان کو دیکھے گا بیس دن پچیس دن، تیس دن، قرنطہ میں رکھے گا پھر تم کو یہ گھوڑے لا کر جہاز کے انتظار میں کراچی میں رکھنے ہوں گے یہاں طویلے تلاش کرنے ہوں گے کرایہ دینا پڑے گا ان کو دانہ کھلانا پڑے گا ان کے لئے گھاس کھودنی پڑے گی یا خویدنی پڑے گی ان میں سے کچھ بیمار ہوں گے کچھ مر بھی جائیں گے ان کی تجہیر و تکفین کا سوال اٹھے گا یہ سارے خوچ تو اٹھانے ہوں گے خم آئے گا صراحی آئے گی تب جام آئے گا انہوں نے دانے گھاس کا خوچہ پھیلایا تو یہ سمجھ میں آیا کہ یہ لاگت تو گھوڑوں کی قیمت سے بھی آگے نکل جائے گی سنا ہے کہ اب وہ خواب میں گھاس کا حساب لگاتے ہیں اور واویلو کرتے ہیں کہ ہائے میں لٹ گیا میرے گھوڑے بیمار ہوگئے میرے گھوڑے مر گئے اگر ہمارے پڑھنے والوں میں سے کسی صاحب کے پس دس ہزار گھوڑے ہوں گے تو اپنے ہاتھ کھڑے کریں اور ٹوکیو میں پاکستان کے سفار تخانے کو خط لکھیں دس ہزار ایک کھیپ میں نہیں

ملتے تو قسطوں میں سہی سو روپے فی گھوڑا ہمارا کمیشن یاد رکھیں۔

اُدھر گنزا میں تانگہ چلانے کی تجویز بھی ہے گنزا کیا چیز ہے یا گنزا کیا ہوتا ہے اکبر الہ آبادی کی زبان میں ایسی جگہ جہاں،

روشنیاں ہوں ہر سو لامع
کوئی ہو کسی کا سامع
سب کے سب ہوں دید کے طامع

یہاں مثال کے لئے الفسین اسٹریٹ سمجھ لیجئے انار کلی قیاس کر لیجئے لیکن یہ کچھ ایسے ہی ہے جیسے آغا حشر کو ہم ہندوستان کا شکسپیئر کہتے ہیں الفسین اسٹریٹ کی رونق اور چانکا چوند کوئی سو سے ضرب دے لیجئے لیکن آج کل نہیں آج کل تو جاپان میں رہتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں خود پنجابی ہیں لہذا فرماتے ہیں میں خود لاچا باندھ کر ور پگڑی باندھ کر بیچ موڑتوں کیا کروں گا۔

پہلے جاپان والوں کا کہن تھا کہ اچھا تانگہ وہاں سے لاؤ گھوڑے یہاں سے لو یا کوچبان یہاں کے رکھوان کو سمجھانا پڑا کہ حضور یہ گھوڑا دوڑ یا میدان جنگ نہیں ہے کہ جس گھوڑے کو لے آؤ کچھ نہ کچھ کرلے گا تانگہ کھینچا خاصا ریاض چاہتا ہے تانگے کے گھوڑوں کی نسل ہی الگ ہے اور وہ محاورہ اور روزمرہ بھی خاص بھاٹی اور لوہاری کے چورانوں ہی کا سمجھتے ہیں جاپان والے ہمارے تانگے والوں کی فصیح البیانی کی قدر تو کیا کر سکیں گے سواری کا لطف البتہ اٹھا سکتے ہیں۔

اتوار کو تو گنزا میں شاپنگ کا زور ہوتا ہے لیکن گاڑیاں لانے کا حکم نہیں ہے گنزا کوئی ایک سڑک کا نام نہیں لمبا چوڑا شاپنگ ایریا ہے فی الحال یہ تانگہ کے اتوار یہاں چلا کرے گا اور گنزا میں یہ آوازہ گونجا کرے گا او تانگے والا خیر منگدا البتہ تیل کے یہی لیل و نہار رہے تو دوسرے علاقوں میں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے اور کیا عجب ہے ہمارے لاہور اور گوجرانوالہ اور حیدر آباد اور ملتان سبھی جگہ کے تانگوں کے لئے جاپان میں گنجائش نکل آئے بی ہائینڈ جیکب لائن والے بھی تیار ہیں۔

Virtual Home
for Real People

کچھ بھاؤ آٹے دال کا

صاحبو اس سفر میں آٹے دال کا بھاؤ کچھ ہمیں اپنے آپ معلوم ہوگیا کچھ ہم نے جستجو سے معلوم کیا آٹا الحال تو محاورے ہی میں سمجھئے لیکن جاپانی حکومت کی کوشش ہے کہ لوگ گیہوں کھانے لگیں تاکہ خوراک میں تنوع آئے اور بدن طاقت پائے ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ گیہوں کھانے والے کو بالاخو جنت سے نکلنا پڑتا ہے بہرحال جاپان کے ایک نامی گرامی اخبار نے پاکستانی سفارت خانے سے رجوع کیا کہ ہمارے قارئین کو بتاہئے گیہوں سے کیا کیا پکوان تیار ہوسکتا ہے ہمارے دوست امان اللہ سردار نے ہنڈکلیا اور خانی داری کی باقاعدہ تربت خود حاصل نہیں کی اپنی بی بی سے پوچھ کے روٹی، پراٹھا، پوری، کچوری، اور سموسے سے وغیرہ پکانے کی ترکیبیں لکھ بھیجیں وہ اخبار میں چھپیں اور خانہ دار خواتین نے آزمائیں جاپانیوں کو سب سے زیادہ قیمے بھرا پراٹھا مرغوب ہوا کل کے خط میں ہم نے تانگوں اور گھوڑوں کی ضرورت کا ذکر کیا تھا ہمارا مشورہ ہے کہ تانگوں والوں کی حلیم کھچڑے والوں کو، جلیبی والوں کو، پکوڑے تلنے والوں کو، نان بائیوں کو اور کلچے باقر خانیاں بنانے والوں کو بھی ساتھ بٹھا لئے لے جائیں لاہور کے مرغ چھولوں والے بھی جاسکتے ہیں اور چنا جور گرم والے بھی قسمت آزما سکتے ہیں،

کچھ کرلو نوجوانوں، اٹھتی جوانیاں ہیں

لیکن بات آٹے دال کے بھاؤ کی تھی ہم ٹوکیو میں بھی ٹھرے اور ہانگ کانگ میں بھی ڈیڑھ دن قیام کیا ہانگ کانگ میں پنجاب ہاؤس والوں سے ہماری پرانی یاد اللہ ہے اب کے بھی ہماری دعوت کی تو ہم نے پوچھا بھی یہ گوشت کس بھاؤ کا ہے پاکستان میں تو اتنا مہنگا ہے کہ ہم مہینے میں ایک دوبار کھاتے ہیں یہاں سستا ہوگا کیونکہ ہانگ کانگ میں چیزیں سستی مشہور ہیں فرمایا چالیس روپے سیر ہے یہ شوح بکرے کے گوشت کی ہے ٹوکیو می بف ہی ملتا ہے یعنی بڑا گوشت اس کا بھاؤ سننے کے لئے قارئین کرام اپنے اپنے کلیجوں اور کلیجوں پر ہاتھ رکھ لیں قیمت میں ادنیا علی کا فرق ہے سب سے ادنی درجے کا بف جسے آپ خود بھی کھا سکتے ہیں اپنی بلوں کو بھی کھلا سکتے ہیں ۶۰ روپے سیر ہے اور اعلی درجے کا دو سو روپے ہم نے کہا دو سو من ہوگا بولے نہیں صاحب دو سو روپے سیر ہم نے کہا پھر تو گھی ہی گھی ہوگا آپ نے خود بھی کھایا ہے ہمارے میزبان نے کہا ایک دفعہ عرب سفارت خانے کی وعوت میں کھایا ہے اچھ ہوتا ہے خستہ ہوتا ہے ہم نے کہا کبھی ہمیں بھی کھلواہئے ایک آہ سرد بھری اور چپ ہوگئے جاپان میں اسلام ترقی کررہا ہے جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اب کے وہاں دو بقر عیدیں ہوئیں ایسا اخلاف وہیں ہوتا ہے جہاں مسلمان زیادہ ہوجائیں عربوں نے ۴ جنوری کو عید کی ترکوں نے ۵ تاریخ کو ترکوں نے مسلمان سفار تخانوں کو تردئے کہ دیکھنا ۴ جنوری یاد رکھنا ادھر ادھر ہو کر ایمان کو بٹہ مت لگانا کوبے کے بڑے امام ترک ہی ہیں اس کے مقابلے میں عربوں نے اشتہار شائع کئے کہ پانچ کو عید منائیے پانچ کو آج کل عربوں کی زیادہ چلتی ہے تاہم کچھ لوگوں نے ایک دن عید کی کچھ نے دوسرے دن بعضوں نے کو طرح مرنجاں مرنج تھے دونوں دن جاپان میں اسلام کی مقبولیت کی ایک وجہہ اس کی حقانیت کے علاوہ یہ معلوم ہوئی کہ وہاں شادی پر خوچ بہت اٹھتا ہے اگر شنتو مذہب کی رسوم کے ساتھ کیجئے تو ۵ لاکھ ین ۳۰۰ ایک ڈالر ۔ ۱۰ روپے بدھ مت کے قاعدے سے کوئی تین لاکھ ین عیسائی رسوم کے ساتھ ایک لاکھ مسلمانوں میں چند ہزار ین میں

بھگتان ہو جاتا ہے مفت ہی سمجھئے کو بے کے مام مسجد جو آسانی سے لوگوں کو مسلمان نہیں بناتے اس میں یہی رمز ہے وہ اسلام قبول کرنے والوں کو صدق دل سے مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں جونی زمانہ ذرا زیادتی ہے ادھر جاپانی روحانیت اور مابعدار الطبعات سے زیادہ معاشیات کے نقطہ نظر سے اس چیز کو دیکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مذہب میں پیسے بچتے ہوں کام مفت ہوتا ہے اس سے سچا مذہب کون سا ہو سکتا ہے۔

ٹوکیو سے ہانگ کانگ پہنچتے تو دیکھا کہ پورا شہر جھنڈے جھنڈیوں سے آراستہ ہے لوگ زرق برق لباس اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن پہنے اہلے گہلے پھر رہے ہیں ہم نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اے بھائی یہ ہمارا استقبال ہے ہم نے تو آنے کی اطلاع بھی نہ دی تھی بڑے باخبر لاگ ہو تم اس نے کہا جی یہ چینی نیوائیر کی تیاری ہے سال نو کی ہمیں معلوم نہیں چین میں نیوائیر سال میں کے بار آتا ہے ہم تو جب بھی آئے یہا نیوائیر کا کھڑاک دیکھا ایسا لگتا ہے کہ جب بھی ہمارے آنے کی اطلاع ہوتی ہے چین والے نیوائیر کا اعلان کر دیتے ہیں کہیں ہم سال دو سال کو ناغہ کر دیں تو یہاں وقت رک جائے نیوائیر آئے ہی نہیں اسٹار فیری کے گھاٹ کے پاس ہی کولون ہانگ کانگ سے کینٹین جانے والی ریل کا اسٹیشن ہے یہاں بھی عجب اہتمام تھا خلقت کا ازدہام تھا یہاں مسافر اپنا سامان بینگوں سے اٹھا کر چلتے ہیں کاندھے پر بانس کا ڈنڈا اس کے ایک سرے پر رسی سے بستر لٹکا یا دوسری طرف سوٹکیس پھنسایا ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ اپنے رشتے داروں سے ملنے کے لئے کینٹین جا رہے ہیں چین کو ان سب کے لئے مادر وطن کی حیثیت حاصل ہے ہانگ کانگ میکاؤ، سنگاپور، وغیرہ سب ا سکے بچے بچو نگڑے ہیں جو اشتیاق ہمارے ہاں حج پر جانے والوں میں ہوتا ہے وہی نوروز ہر چین جانے والوں میں ہم نے پایا خود ہانگ کانگ میں ہجوم سے ٹریفک کی پابندی لگ گئی پارکنگ ممنوع پولیس کمشنر نے ٹیلی ویژن پر لوگوں کو مشورہ دیا کہ ذاتی کاریں باہر مت نکالو بس پکڑو یا پیدل جاؤ۔

لوگ تو ہانگ کانگ فقط خویداری کے لئے جاتے ہیں لیکن ہمیں اس کی فضا سے یک گونہ انس ہے یہ ہم جزیرہ نما کی نکڑ کولون کا ذکر نہیں کر رہے وکٹوریا کے جزیرے کی بات کر رہے ہیں سمندری فیری کا سفر انگریزوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلانے والی عظیم وجسیم عمارتیں، وردی پوش سکھ دربان سڑکیں ہوا و پر ہی اوپر چڑھتی ہوئی پر پیچ پر اسرار گلیاں پیاڑ کی چوٹی تک مکانوں کے سلسلے بلکہ عین چوٹی کے اوپر بھی پندرہ سولہ منزلہ ا ونچی عمارات رات کو عجب جگر مگر کا عالم ہوتا ہے یوں سمجھئے کہ ایک پیالہ بادیہ ہے آپ اس کے پیندے میں بیٹھے ہیں اور اس کے کناروں تک روشنیاں ہی روشنیاں اٹھتی چلی گئی ہیں نیچے بازار میں خویدسری کا عالم یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی دکانوں بلکہ کیبنوں پر لاکھوں کا کاروبار ٹورسٹوں کے ساتھ فقط انگریزی کے تین لفظوں میں ہوتا ہے ایک تو۔ how much دوسرے no تیسرے o,k آپ دکان پر جاتے ہیں اور چیز اٹھا کر پوچھتے ہیں how much وہ کہتا ہے چوبیس ڈالر آپ کہتے ہیں نو اور جانے لگتے ہیں اب اس کی باری ہے پوچھنے کی you how much یعنی تم بھی منہ سے کچھ پھوٹو آپ نے کہا دس ڈالر وہ کہے گا نو پندرہ آپ نے پھر کہا دس اب وہ کہے گا نکالو پیسے ہانگ کانگ کی ایک لہراتی اوپر چڑھتی گلی میں ہمیں فقط ایک دکاندار ملا جسے انگریزی کا فاضل کہہ سکتے ہیں کم از کم تین لفظوں سے زیادہ جانتا ہے جب اس سے ہمارا بھاؤ نہ بنا تو بولا no buy go. go یعنی تم کو خویدنا ہی نہیں ہے جاؤ جاؤ میری دکانداری کھوٹی مت کرو سنا ہے کہ جنگ کے دنوں میں ہندوستانی دوکاندار بھی صاحب لوگوں سے یونہی کہا کرتے تھے کہ ٹیکنی ہے تو ٹیک نہیں شاپ دیکھ ہانگ کانگ کی دعوت میں سعید میر صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی ہمارے میزبان نے ہمیں اور ان کو بڑے چاؤ سے یکجا بلایا تھا ان کو دیکھ کر شرمندگی ہوئی نہ ہم نے کبھی ان کا نام پہلے سنا ہے نہ انہوں نے کبھی ہمیں پڑھا ہے وہ

بیچارے سعید میرے تو یہ کہتے تھے کہ بھیہ مشہور رائٹر ہیں پاکستان کے کئی کتابیں لکھ رہی ہیں ان کا کالم بہت چڑھا جاتا ہے ادھر ہم سے یہ کہ سعید میر صاحب مایہ نار کھلاڑی ہیں انہوں نے کئی میچ جیت رکھے تھے آج کے اخبار میں ان کی آمد کی خبر بھی ہے ہم نے کہا بہت خوشی ہوئی آپ کیا کھیلتے ہیں جی وہ بولے ٹینس ہم نے یہ پوچھ کر کہ ٹینس کیا ہوتی ہے ان کے اور اپنے میزبان کے جذبات کو مزید ٹھیس پہچانا پسند نہ کیا آسٹریلیا سے آئے تھے بہت خوش دل جوان ہیں بتایا کہ میرا رشتہ سر سید مرحوم سے ملتا ہے، ہم نے کبھی کائی کھیل کھیلا نہ کھیلوں کے متعلق کچھ پڑھا کھڑا کھیل فرخ آبادی یک کے متعلق کچھ نہیں جانتے کہ کیسے کھیلا جاتا ہے ہمارے شاہد احمد دہلوی مرحوم کا بھی ایک بار کسی نے بمبئے میں تعارف کرایا تھا کہ یہ اشوک کمار ہیں شاہد صاحب نے کہا اچھا لیکن یہ کیا کرتے ہیں کچھ تفصیل تو بتاؤ۔ایک واقعہ سعید میر صاحب نے بھی اپنی خویداری کا بتایا کہ ایک دکان پر ایک سوئیٹر مجھے پسند آیا دکاندار نے دام بتائے پچاس ڈالر میں نے سن رکھا تھا کہ پس اس سے کہا کہ بھائی دس یا بارہ ڈالر اسمیں سے کم تو کرو تو بڑی مہربانی ہوگی پورا فقرہ اور اس کی صرف ونحو تو وہ سمجھا نہیں دس اور بارہ اس کی سمجھ میں آئے بولا۔۔بارہ ڈالر۔۔۔نو۔۔۔نو ففٹین ڈالر نکالو۔۔۔میں نے پندرہ ڈالر دئے اور سودا ہوگیا۔

www.HallaGulla.com

لنکا

جنوری ۱۹۶۴ء

Virtual Home
for Real People

ابن بطوطہ کے تعاقب میں

عزیزو! جب ایران کی شیرنی اور صباحت کے مزے پر پانچ ہفتے گزر گئے اور اس بلدہ خوش نہاد کراچی کے درو دیوار سے جی اچاٹ ہوا تو اس فقیرہ نے ایک بار پھر رخت سفر باندھا اور اس جزیرہ حسن وملاحت کی راہ جسے رام لیلا دیکھنے والے لنکا کے نام سے اور ریڈیو سننے والے سیلون کے عرف سے یاد کوتے ہیں طوطا کہانی میں اسے سنگلدیپ کا نام دیا گیا ہے اور عرب سراندیپ کہہ کر پکارتے ہیں الف لیلہ کا سندباد جب اپنے چھٹے سفر پر سفرہ سے روانہ ہوا کہ تو ایک روز ناخدا نے غل مچایا اور اپنی پگڑی پھینک کر سر پیٹنے لگا اور مارے رنج وغم کے بے ہوش ہوکر گر پڑا لوگوں نے پوچھا خیر باشد بولا ہم راستہ بھول کر نئے سمندر میں نئے نکل آئے ہیں قصہ مختصر جہاز ڈوبا اور یہ ایک ٹاپو پر جا کر اترے جہاں آب ہاضم اور عنبر کی بہتات تھی انھوں نے ایک بجرا بنا کر دریا میں ڈالا اور ایک تنگنائے سے گزر کر ایک مرغزار میں پہنچے جہاں لوگ کوئی اجنبی بولی بول رہے تھے اور اسے شاہ سراندیپ کے روبرو لے گئے۔

ابن بطوطہ بھی ملدیپ کے جزیروں میں چھ نکاح کرنے کے بعد یہاں پہنچا اور لوگ اسے بادشاہ کے حضور لے گئے تو اس کے پاس بہت اچھے اچھے موتیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اسنے ابن بطوطہ سے پوچھا تم نے اتنے بڑے موتی پہلے کبھی دیکھے ہیں ابن بطوطہ نے کہا جیسا کہ کسی بھی منجھے ہوئے اور گھاگ آدمی کو کہنا چاہئے تھا کہ حضور جان کی امان پاؤں تو عرض کروں کہ کبھی نہیں دیکھے بھلا ایسے بڑے موتی کہیں ہوسکتے ہیں اس پر بادشاہ نے حاتم کی قبر پر لات مار کر دو دانے اٹھا کر دیئے اور کہا شرم نہ کرو جو کچھ درکار ہے مجھ سے طلب کروا بن بطوطہ نے کہا حضور میری ضرض یہاں آنے سے یہ تھی کہ قدم شریف کی زیارت کروں حالانکہ بعد میں معلوم ہوا موصوف کا ارادہ مزید نکاح کرنے کا تھا۔

ہرے بھرے جنگلوں اور پانی کے قطعوں کا نظارہ تو پہلے ہی شروع ہوگیا تھا اب ہم ہوائی اڈے پر اترے تھوڑے دور پر ایک برآمد اور اس کے پیچھے دو تین کوٹھڑیاں نظر آئیں سبھی مسافر وہاں پہنچے ہمارا خیال یہی تھا کہ ریستوران ہے ایر پورٹ کی بلڈنگ اس کے پیچھے ہوگی لیکن معلوم ہوا کہ جو کچھ گر قبول افتد زہے عزو شرف ہم نے اس تھوڑے کو بہت سمجھا اور کسٹم میں چلے گئے بعد میں سوچا کہ اس چھوٹے سے جزیرے کا ایر پورٹ اس سے بڑا بھی کیا جاسکتا ہے یاد رہے کہ ایر سیلون کی بین الاقوامی سروس بھی ایک جہاز پر مشتمل ہے جو اصل میں بی او اے سی سے ادھار لیا گیا ہیہمارے ساتھ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری بھی تھے اور کچھ لوگ ہمیں لینے آئے ہوئے تھے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا اور کہا آپ ابن انشا ہیں اور میں ہوں آسٹن جے وردھنا ہم نے خوب خوب جی میں سوچا ہمارے ہاں بھی تو جارج گنڈاسنگھڑ اور پیٹر فضل دین وغیرہ نام ہوتے ہیں یہ بھی لنکا کا دیسی کرسٹان ہوگا اب ہم ان کی گاڑی میں بیٹھ گئے یہ سیلون کے نیشنل بک ٹرسٹ کے سیکریٹری تھے۔

جب ہمیں چلتے چلتے پون گھنٹہ ہوگیا بلکہ زیادہ تو ہم نے کہا آپ کا ملک تو بہت خوبصورت ہے لیکن اس کی سیر ہم پھر کریں گے فی الحال کولمبو چلئے۔

بولے۔کولمبو ہی تو جا رہے ہیں

ہم نے کہا ہم یہ سمجھے تھے کہ آپ کا ارادہ پہلے سارے جزیرے کا چکر لگانے کا ہے اچھا تو کتنی دور ہے کولمبو۔

بولے بس دس بارہ میل اور ہوگا۔

آخر شہر نظر آیا اور پھر ہم فورٹ کے علاقے میں تھے سامنے ایک بڑی محراب نظر آرہی تھی ہم نے کہا یہ کیا ہے۔

بولے یہ بودھوں کا مندر ہے اسٹوپا

یہاں کیوں

بولے جو جہاز سمندر میں آتے ہیں ان کی نظر سب سے پہلے اس گرجا پر پڑی تھی جو سب سے اونچی عمارات ہے چانکہ یہاں بودھوں کی اکثریت ہے لہذا یہاں اب یہ بودھ عمارت کھڑی کی جارہی ہے تاکہ آنے والے اسی کو سب سے پہلے دیکھیں ہم نے خوب آسٹن کے عیسائی ہونے کی رعایت سے ہمارا جی تو چاہا کہ بودھوں کی غیر رواداری پر ایک فصیح وبلیغ تقریر کریں لیکن پیاس سے حلق میں میں کانٹے پڑ رہے تھے یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ بعد میں معلوم ہوا کہ میاں آسٹن خود بودھ ہیں مشہور مصنف مارٹن و کرم سنگھ بھی بودھ ہیں اور ڈیوڈی ڈی سلوا بھی آٹھواں گانٹھ کمیت بودھ یہ نام پرتگیزوں کے عہد کی یادگار ہیں جو غیر عیسائی یا غیر عیسائی نام والے کو نوکری نہ دیتے تھے چنانچہ سیلون کے ڈی سوزا اور ڈی سلوا وغیرہ نہ پرتگیزی ہیں نہ گوانی خالص سیلونی اور سنگھائی بودھ ہیں آسٹن نے بتایا کہ لوگوں نے حکومت کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے نام رکھ لئے تھے،

مسلمانوں نے بھی ہم سے پوچھا

آسٹن نے کہا، مسلمانوں نے البتہ اپنے نام کبھی نہیں بدلے وہ اپنی وضع پر قائم رہے ہم بھی آئندہ کوشش کر رہے ہیں کہ خالص دیسی نام رکھیں۔

بی او اے سی نے جب کراچی میں ہمیں ٹکٹ دیا تھا تو ساتھ ہی کہ دیا تھا کہ آپ کے لئے سی ویو کلب میں کمرہ بک کر دیا گیا ہے جب ہم ہوٹل پہنچے تو کلب کی وجہ تسمیہ معلوم ہوئی یہ ایک دو فرلانگ لمبی گلی میں واقع ہے اسے طے کر کے بڑی سڑک پر آئیں اور کوئی آدھ میل دہنے رخ چلیں تو ایک جگہ ایسی ہے کے وہاں سے سمندر صاف دکھائی دیتا ہے۔

اس وقت تک دن کے گیارہ بج رہے تھے اور گرمی کا وہ عالم جو کراچی جولائی میں ہوتا ہے ڈاکٹر اختر حسین نے کہا ہمیں کمرے دکھایئے تاکہ نہا دھو کر آرام کریں اس پر بیروں نے میجر کی طرف دیکھا اور میجر نے بیروں کی طرف اس کے بعد نہایت ادب سے کہا سی الحال یہیں تشریف رکھئے،

آخر کیوں

مینجر نے ایک پاؤں سے دوسرے پر اور دوسرے سے پہلے پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ً آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔

کس کا انتظار

کمرے خالی ہونے کا۔

ہم نے فوراً بی، او، اے، سی کی چٹ دکھائی کہ آپ کے لئے سی ویو کلب میں فیس کلاس کمرہ ریزرو ہے۔

مینجر نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن کمرہ خالی ہونے میں وقت لگے گا بس دو تین گھنٹے اور یہیں انتظار کر لیجئے اس کے

بعد دو نہیں تو ایک کمرہ خالی ہونے کی قوی امید ہے۔

ڈاکٹر اختر حسین بہت بیتاب ہو رہے تھے بولے جی میں تو چلا کوئی بھی ہوٹل مل جائے گال فیس (وہاں کا بیچ لگژری ہوٹل ہے) اس لئے نہیں گئے تھے کہ شور اور ہنگامہ بہت ہے لیکن وہاں کمرہ تو کم از کم مل جائے گا ہم نے خوشامد درآمد سے انہیں راضی کیا اور اناناس کا شربت پلوایا لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے دو بج گئے آخر کمرہ ملا معلوم ہوا وہ جرمن اس ہوٹل میں فروکش تھے جنہوں نے ایک روز قبل جانے کا وعدہ کیا تھا اور اب اڑ گئے تھے کہ جب ہمارا جی چاہئے گا جائیں گے نہیں جاتے کر لو شکایت ہماری۔

سواد شہر کولمبو

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

کولمبو جانے سے پہلے ہم نے دیوند دیستارتھی اوراے حمید کی کہانیاں پڑھ رکھی تھیں اور خیال یہ تھا کہ وہاں دن بھرنسیم محری چلتی ہوگی یہاں دیکھا کہ یہ تو بلدہ گردو گرما ہے ہوٹل کا کمرہ بھی اتفاق سے ایسا آرا م دہ اور گرم ملا کہ ہیٹر لگانے کی ضرورت نہ تھی ڈاکٹر اختر حسین گرمی سے بہت مضطرب تھے بولے تمہاری یہ کیفیت کیوں نہیں ہن نے عرض کیا کہ بندہ کچھ روز ملتان رو آیا ہے مطلب کیا ہے ہم نے عرض کیا جہنم میں جہاں ہر طرف گہنگاروں کی تادیب اور عقوبت کے لئے آگ کے الاؤ بھڑک رہے تھے اور لوگ گرمی سے جل بھن کر الاماں الاماں پکار رہے تھے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک شخص لحاف کی بکل میں بیٹھا ٹھرن سے کانپ رہا ہے بلکہ دانت بج رہے ہیں ایک فرشتے نے حیرت سے پوشھا آپ کی تعریف پتہ چلا ملتان کے ہیں

واضح رہے کہ یہ حال جنوری کے مہینے کا ہے اور ہم ایران سے آرہے تھے جہاں جتنے دن رہے یہی خیال رہا کہ ریفریجریٹر کے اوپر کے خانے میں بیٹھے ہیں بلکہ گرتی دیکھی معلوم ہوا کہ کولمبو کا موسم تو یہی ہے جنوری ہو یا جون مارچ ہو یا ستمبر، نہ ساون ہرے نہ بھاروں سوکھے یہ علاقہ جس میں ہمارا ہوٹل تھا ایک طرح کی سول لائن سمجھئے جہاں بڑے بڑے بنگلے تھے ان سے نکلیئے تو ڈھا کہ شروع ہوجائے گا وہی لباس وہی پھل پھول پودے وہی لوگوں کی رنگت اور نین نقش ویسے ہی مکان اور دوکانیں فورٹ کے علاقے میں بھی جہاں چلے جائے ا ور نئے طرز کی عمارت شاید ہی کوئی ہو بنکوں کی عمارات انگریزوں کے زمانے کی ٹھاٹھ دار بلڈنگیں جابجا ئیں نیشنل اینڈ گرنڈے بنک مرکنٹائل بنک چارٹر بنک وہی پتھر کی ٹھوس بے آثار کی عمارتیں جن کی روشنیاں موسم کے اثرات سے دھوانی ہوتی لمبے لمبے بر آمد دھوتی پوشوں کے ہجوم گپ کرتے ہوئے چپراسی چائے پیتے ہوئے کلرک یہ زمانہ بیگم بندرانا نائکے کے عروج کا تھا ابھی چند دن پہلے حکومت نے پیٹرول پمپوں کو نشیلائز کیا تھا برماشیل اور سینڈر ڈائل والوں کے بورڈ اتارے جارہے تھے اور سری لنکا کے بورڈ ان کی جگہ لے رہے تھے غیر ملکی بنکوں کا چل چلاؤ تھا یہ پابندی لگائی جا چکی تھی کہ کوئی نیا اکاؤنٹ سوائے بنک آف سیلون کے کہیں نہیں کھولا جا سکتا امریکہ امداد بند کرنے کا اعلان کر چکا تھا اور لوگوں کے چہرے نئے عزم کے ساتھ تمتمارہے تھے شمالی علاقوں میں جو بھارتی اسمگلروں کی ماجدہ تھی حکومت سختی سے کاروائی کرری تھی اور روزانہ بہت سے لوگ سملنگ کرتے گرفتار ہو رہے تھے تامل سنگھائی جھگڑا ابھی چل رہا تھا بھارتی سیٹھ اپنا پیسہ ہندوستانی روپے میں بدلوارہے تھے نتیجہ یہ کہ سیلون کے سکے کا بھاؤ بہت گر گیا تھا پولیس والوں کی نگرانی کے بووجود فورٹ کے علاقے میں قریب قریب ہر دکان کرنسی کی بلیک مارکیٹ کا اڈہ تھی امریکی ڈالر کا سرکاری بھاؤ تو پونے پانچ روپے تھا لیکن بازار میں اس کے گیارہ روپے باآسانی مل جاتے تھے بازار سے گزرتے ہوئے جگہ جگہ لوگ لپک کر آتے اور پوچھتے بھارتی روپیہ ہے بدلوایئے گا پچاس دیجئے سو لیجئے۔

بارے ہوٹل کا کچھ بیاں ہوجائے گال فیس ہوٹل کولمبو کا سب سے پرانا اور مشہور ہوٹل ہے جس کی عقبی کھڑکیاں عین سمندر پر کھلتی ہیں بی اے او سی کا دفتر اسی میں ہے اور سبھی غیر ملکی یہیں ٹھرہے ہیں لیکن یہ مہنگا بھی ہے ہمارے دوست ہوشنگ ایرانی ہم سے پہلے فورٹ کے ہوٹل پر دبان میں رہ گئے تھے لوگوں کے شورو شغب اور کھانے کے احوال سے قطوع نظر بیروں کے متعلق ان کا بیان یہ تھا کہ آپ ماچس بھی منگائیں تو باقاعدہ طشتری میں سجا کر لاتے ہیں اور جھک کر آداب کرتے تھے کہ امیدوار کرم ہیں میز صاف کرنیں پر بخشیش چادر بدلنے پر بخشیش پانی پلانے پر بخشیش ،،،، گھوڑا آگے بڑھانے پر بخشیش ،فرماتے تھے جب میں رخصت ہوا تو پچیس آدمی قطار باد ھے کھڑے تھے معلوم ہوا کہ کو یہ میرے برآمدے میں جھاڑو لگا تا تھا دو میری

غیر موجودگی میں غسلخانے کی دیکھ بھال کرتے تھے تین چار روم بیرے تھے ایک دو چائے لانے والے، تین چار کھانا کھلانے والے یہ بھی ہوشیار نکلے سیلونی اخلاق کا ایرانی اخلاق سے جواب دیا اب لوگوں کے مودبانہ سلاموں کا جواب اور زیادہ مودب سلام سے دے کر نکل آئے ہم سے ایسا نہیں ہو سکتا۔

لیکن ہمارا ہوٹل سی وی کلب ہوٹل کم اور کلب زیادہ تھا زیادہ تر بڈھے انگریز اور کچھ امریکی جرمن پوش وغیرہ اسمیں سالہا سال سے مقیم تھے کپریلوں کی چھتیں تھیں معلوم ہوا کہ انگریزوں نے جنگ کے دنوں میں جو بارکیں بنائیں تھی انہی میں یہ بھی تھیں آگے کمرے پیچھے لمبا لمبا برآمدہ نما غسل خانہ، کمرے اور غسل خانہ کے درمیان کوئی کوڑا نہیں تھا کھلا دروازہ تھا لہذا کمرے میں ایک سے زیادہ آدمی ہوں تو غسل خانہ والے کو برابر وقفے وقفے سے کھانس کھنکار کر اپنی موجودگی کی اطلاع دینی ہوتی تھی پیچھے کی شیشوں کی جھلملوں میں سے کچھ ثابت تھیں کچھ ٹوٹی ہوئی اور ادھر سے نوکر چاکر بیرے خانسار مالی وغیرہ برابر گزرتے تھے ایک بار ہمیں خیال گزرا کہ شاید نیوڈ کلب ایسے ہی کلب کو کہتے ہیں لیکن ڈاکٹر اختر حسین نے فرق بتایا کہ اس میں آپ بھی دوسروں کو ننگا دیکھ سکتے ہیں یہاں معاملہ یک طرفہ ہے۔

کھانا ہمیشہ ولایتی ملتا ہے یعنی پھیکا، سیٹھا، دو دن کے بعد ہم نے کھانا چھوڑ دیا اور انناس منگا کر کھانے لگے انناس کا ٹکڑا ہر کھانے کے بعد ملتا ہے اور ناشتے میں بھی چونکہ ہاضم ہوتا ہے لہذا لوگ چورن کے طور پر کھاتے ہیں ہمارا حال الٹا تھا ہم پانچ شہ قاشیں بڑی بڑی کھا کر پیٹ بھر لیتے تھے اور پھر اس چورن کو ہضم کرنے کے لئے ایک دو توس نوش جان کرتے بیلون کا مقامی کھانا مدراسی طرز کا ہے بھارت میں دال ڈالو اور میٹھوں میں بھیج نچوڑ کر زبان سے چاٹ لو اس کے لئے مشق ذوق کی شرط ہے پاکستانی کا ایک ہوٹل تلاش کے بعد ملا ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں اور کرنل مجید ملک کبھی کبھی یہاں آ کر لذت کام و دہن حاصل کرتے رہے ہیں کھانا بس ایسا تھا ایک آدھا بار کھایا ورنہ بالعموم انناس کے ساتھ توس کھاتے رہے کبھی کبھی صاف شفاف شوربہ بھی پی لیتے بیرے ہمیشہ کچھ نہ کچھ بتاتے رہتے تھے کہ فلاں چیز کا شوربہ ہے لیکن پکانے والے سے بالمال تھے کہ شکل اور لذت میں ذرہ بھر فرق نہ آیا ہم نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب ہمیں تو لگتا ہے کہ خالص پانی میں نمک جوش دے دیتے ہیں اور پلیٹ میں لا حاضر کرتے ہیں بولے پی جاؤ گرم پانی اور نمک پیٹ کے لئے نفید مانا جاتا ہے۔

پورا تو ہم نے کراچی نہیں دیکھا کولمبو کے متعلق کیا دعوی کریں کہ سارا دیکھ لیا اصل بات یہ ہے کہ ٹیکسی والے مانع آئے ورنہ ارادہ چپے چپے کی سیر کا تھا تہران میں تو شہر کے اندر جہاں بھی جاؤ خواہ قہ آدھا میل دور ہو یا پانچ دس میل ریٹ وہی پندرہ ریال یعنی پندرہ آنے اصفہان میں جہاں بھی جائیے دس آنے دے دیجئے شیراز میں اندون شہر ہر جگہ آپ پانچ آنے میں جا سکتے ہیں اس سے کسی چھوٹے شہر میں ہم نہیں گئے شاید آنے دو آنے میں یا مفت بھی قصبے کی سیر کراتے ہوں گے۔

لیکن یہاں بات کولبو کے ٹیکسی والوں کی تھی کراچی کے رکشا ناحق بدنام ہیں کہنے کو تو کولمبو کا ریٹ آٹھ آنے یا دس آنے میل ہے لیکن وہاں میل کی لمبائی ٹیکسی والوں کے مزاج پر منحصر ہے انگریزوں کی اندھی تقلید میں ۱۷۶۰ گز کی پابندی نہیں ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ آپ نے ٹیکسی والے کو آواز دی تو ایک میل وہیں ہو گیا اس کے رکتے تک دو میل ہو گئے اور جب آپ دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے تو چوتھے میل کا کرایہ شروع ہو جاتا ہے بعد ہمارے ایک دوست نے بتایا کہ بیشک اکثر لوگ میٹر میں گڑبڑ کرتے ہیں لیکن ایماندار ڈرائیور بھی ہیں جو

دوسرے میل سے کرایہ شروع کرتے ہیں

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

چھڑی کی تلاش میں

ڈاکٹر اختر حسین کو چھڑی کی تلاش تھی وہی جو سیر کرنے کی چھڑی ہوتی ہے ایک بار ہم مری جانے کو تھے تو انہوں نے فرمایا وہاں دیکھنا اور مل جائے تو لے آنا انہوں نے اچھی طرح ہمیں اس کی وضع قطع سمجھا دی اور ہم بھی خوب اچھی طرح سمجھ گئے لیکن مری سے جو چگڑی آئی تو ڈاکٹر صاحب کچھ خوش نہ ہوئے بولے یہ شے مطلوبہ نہیں ہے مجھے جو چھڑی چاہئے وہ اور طرح کی ہوتی ہے اس دستہ ذرا ٹیڑھا ہونا چاہئے لیکن زیادہ بھی نہ ہو ہم نے عرض کیا سمجھ گئے اب آئندہ غلطی مت کرنا انہی دنوں ملتا نجانا ہوا اور شے مطلوبہ پاکر ہمیں خوشی ہوئی لیکن ڈاکٹر صاحب نے اسے بھی رو کر دیا اور کہا کہ یہ بھی بالکل درست نہیں ہے میں نے آپ کو بتائی تھی آخو ڈھاکے کے ایک بازار میں گھومتے گھومتے ہمیں عین مین ناک نقشے کی چھڑی مل گئی اور ہم نے خوشی سے ایک نعرہ لگایا ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ عمدہ ہے لیکن میرے بھائی جیسی چھڑی میں کہتا ہوں ویسی آپ کیوں نہیں لاتے۔

ہمیں حاتم کا قصہ یاد آ گیا جس سے سات فرمائشیں کی گئی تھیں جن میں حمام کا پتہ چلانا اور انڈے کے برابر موتی لانا بھی شامل تھیں حاتم نے جنوں دیوں اور اژدھوں سے لڑ بھڑ کر یہ سب چیزیں فراہم کر رہی تھیں انسے ڈاکٹر اختر حسین کی مطلوبہ چھڑی کے لئے کہا جاتا ہے تو ممکن ہے کہیں سے پیدا کر دیتے لیکن ہمیں ذاتی طور پر اس میں شک ہے۔

اب جو کولمبو میں دوپہر کے کھانے کے بعد ہم نے جمائی لی تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔
کیا ارادے ہیں۔۔۔۔
سر بستر خواب راحت جانا چاہتا ہوں یعنی سونا چاہتا ہوں۔
فرمایا؛ جو سوتا ہے سو کھوتا ہے اور پھر سونے کو بہت عمر پڑی ہے اس وقت بازار چلو؛
خیریت۔
فرمایا چھڑی لینی ہے۔

ہمیں بھی اشتیاق تھا کہ کہیں وہ کونسی چھڑی ہے جس کا حلیہ وہ ہمیں سمجھا نہیں پاتے دوسرے یہ بازار دیکھنے کا اچھا موقع تھا ٹیکسی ہوٹل کے دوازے پر ہی مل گئی تھی جب ہماری گھڑی میں تین منٹ اور اسکے میٹر میں تین میل ہو گئے تو ہم اس میں سے اتر گئے ابھی ہمارے ہوٹل کا صدر دروازہ پوری طرح نظر سے اوجھل نہ ہوا تھا ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا حیرت کی بات ہے کہ تین میل سے ہوٹل صاف نظر آرہا ہے بولے ہوا کی تاثیر ہے فوراً پیسے دے دو ورنہ یہی فاصلہ چار میل کا ہو جائے گا یہ ربڑ کا ملک ہے یہاں ہر چیز میں لچک ہے۔
اب اکا دکا دکانیں شروع ہو گئی تھیں اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں بالکل ڈھاکے کا نقشہ تھا ویسی ہی دوکانیں ویسے ہی لوگ ویسے ہی ان کے ملبوسات ڈھاکے کے میں بنگالی بستے ہیں یہاں سنگھائی وہ بنگالی بولتے ہیں یہ سنگھائی بولتے ہیں نہ وہ ہمیں آتی ہے یہ ہاں ڈھاکے می اردو سے کام چل جاتا ہے یہاں نہیں چلتا آسانی یہ ہے کہ یہاں قریب قریب سبھی لوگ انگریزی سمجھ اور بول لیتے ہیں ایک روایت کے مطابق سنگھالیوں کے بزرگ بدھ مت پھیلانے کے لئے بنگالی ہی سے آئے تھے۔

لیکن یہ بات ڈاکٹر حسین اختر کی چھڑی کی تھی ایک دوکان سے دوسری دوکان دوسری سے تیسری ،فرنیچر والے، بانسوں والے،گھوروں کی کاٹھیاں بنانے والے، بساطی،نون تیل بیچنے والے ،دوافروش، بزار، نائی، ڈرائی کلینز، گھڑیساز سبھی کی دکانیں دیکھ ڈالیں لوگوں نے طرح طرح کی چھڑیاں، ڈنڈے ٹکوے شپتیر لالا کے دکھائے اور چھڑیوں میں ٹیڑھی، سیدھی گول ،چپٹی ،شام والی بغیر شام والی، کتوں کو بھگانے والی، گدھے ہانکنے والی، لکڑی کی، بت کی، لوہے کی پیتل کی ہر وضع اور قسم کی تھیں لیکن درمقصود یہاں بھی ہاتھ نہ آیا ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ فورٹ میں دیکھیں گے ورنہ پٹے چلیں گے۔

ہم نے عرض کیا۔یعنی

فرمایا۔فورٹ کو تو صدر یا بندر روڈ سمجھ لو اور پٹہ ہے جوڑیا بازار کھارادر میٹھادر۔

ہم نے عرض کیا منظور لیکن اس وقت چلتے ہو تو چڑیا گھر کو چلئے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے۔

یہ چڑیا گھر نہ گاندھی گارڈن کا سا ہے نہ لاہور کے لارنس باغ کا سا ہم نے لندن کے ریجنٹ پارک کا چڑیا گھر بھی دیکھا ہے وہ بھی اپنی الگ دست اور شان رکھتا ہے لیکن کولمبو کا چڑیا گھر جیسے وہی والا یاد رہے ویلا چڑیا گھر کہتے ہیں کچھ اور چیز ہے اسے باغ کہئے یا جنگل لیکن ہے دونوں کے بین بین کولمبو میں جہاں درجہ حرارت کا اوسط ۸۱ درجے ہے سبزہ رخوں کی قلت ہوتو ہو سبزے کی کوئی کمی نہیں ہمرے ہاں سبزے کے لئے کھاؤ ترائی چھڑکاؤ وغیرہ کے تکلف کرنے پڑتے ہیں وہاں سبزے کو روکنے کے لئے طرح طرح کے جتن کیجئے۔ اعدادو شمار ہمارے پاس نہیں اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہی والا چڑیا گھر کتنے مربع میل پھیلا ہوا ہے لیکن حدنظر تک جنگل ہی جنگل چھایا ہوا ہے یوں لگتا ہے جیسے اسی جنگل میں سے تھوڑی سی جگہ صاف کر کے شہر کولمبو بنالیا گیا ہے۔

خیر یہاں وہ سب جانور تھے جو سب چڑیا گھروں میں ہوتے ہیں سوائے اسکے کہ رنگین پرندوں کی کئی نئی قسمیں دیکھنے میں آئیں وہی ویلا کی خصوصیت ہاتھوں کا ناچ ہے ہفتے میں ایک بار شام کو باجا بجتا ہے اور اسکے ساتھ ہاتھیوں کا ناچ ہوتا ہے ہاتھی ایسے سیدھے ہوتے ہیں کہ ڈھول پر چوب پڑھتے ہیں ہی تھر کنے لگتے ہیں باجوں میں ڈھول ڈھمکے کے ساتھ طرح طرح کی نفیریاں بھی تھیں ان کی گونج سے آج بھی کان سنسناتے ہیں خیر اس کا ذکر اس کے موقع پر اب چھوٹے بڑے ہاتھیوں کا حلقہ رقص قائم ہوگیا بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ دیکھنے والوں میں آدھے یوروپین ہوں گے کیونکہ سیلون کے سیاحتی کتابچوں میں ہاتھی کے ناچ کا ذکر ضرور ہوتا ہے بعضے ہاتھی بچے تو نقارے پر اپنے پاؤں کی تھاپ بھی دیتے ہیں اب یہ جلوس لہراتا ہوا اور فیل غمزے کرتا ہوا ایک روش سے دوسری روش پر اور دوسری سے تیسری پر آتا ہے پھر ایک جگہ رک جاتا ہے اب کوئی صاحب بالعموم صاحبہ آگے بڑھتی ہیں اور ہاتھی میاں اسے اپنی سونڈ میں لے کر گھماتے ہیں اور لوگ تالیاں بجاتے ہیں اب جو ہم کسی پاکستانی فلم میں کسی پہلوان ہیرو یا ہیروئن کو ناچتے یا غمزدہ کرتے دیکھتے ہیں تو وہی ویلائز کا ہاتھی ناچ یاد آیا فرق صرف یہ ہے کہ ہاتھیوں کے ناچ میں ایک طرح کا ربط اور آہنگ ہوتا ہے۔

ابھی سیر سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ بارش شروع ہوگئی اور بارش بھی ایسی کہ محسن کا کوروی یاد آئے۔

سوئے کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

ابر کے کاندھے پہ لاتی ہے ہوا گنگا جل

اور اس کے بعد وہ تریڑے کہ میاں نظیر کے برسات کا تماشا کا منظر کھینچ گیا اور پھر تھوڑی دیر میں ابر کھل بھی گیا یہ منظر نے نظیر وارثی نے باندھا ہے چنانچہ راستے میں تینوں شاعروں کی باتیں ہوا کیں انگریز کیہاں بارش زحمت ہوتی ہے ہمارے ہاں رحمت لیکن یہ بھی پرانی بات ہوئی کراچی کی باران رحمت کو دیکھ کے خیال ہوتا ہے کہ ہم بھی کم از کم اس کے معاملے میں انگریز ہو گئے۔

کھانے میں دال بھات کا ذکر ہم نے کیا وہ عام آدمیوں کا کھاجا ہے ایک صاحب کے ہاں دعوت میں ایک تکلف کی ڈش آئی تو پوچھنے لگے بوجھو یہ کیا ہے؟

ہم نے کہا معلوم تو چاول ہوتے ہیں بولے جی نہیں چاول کا آٹا پیس کر سویاں بنے جاتی ہیں اور ان کو چھوٹا چھوٹا چاول کے برابر کاٹا جاتا ہے یہ ہے وہ چیز ہم نے پوچھا پھر سیدھے سادھے چاول کیوں نہیں پکائے بولے وہ تو گنواروں کا طریقہ ہے شرفا کا قاعدہ یہی ہے غور کیا تو معلوم ہوا کہ صرف اس معاملے میں نہیں اور معاموں میں بھی شرفاء کا قاعدہ یہی ہے خواہ وہ پاکستان کے ہوں یا سیلون کے کہ اصل چاول کو پیس کے سویاں بٹیں گے پھر ان کو کاٹ کے مصنوعی چاول بنائیں گے سیدھے سادھے چاول کھانا مبتذل ہے۔

چاول بنانے کے علاوہ ان سویوں کو سیلون میں جلیبی کی صورت بھی دی جاتی ہے اور پھر اسے کبھی سفید چھوڑ دیا جاتا ہے کبھی رنگا جاتا ہے سبزیوں میں کیلے کی سبزی عام ہے پلاؤ میں جو کاڈالا جاتا ہے اور ایک انڈا بھی ہوتا ہے چاول کے پاپڑ پر رکھا ہوا اب رہا گوشت تو بودھ لوگ گائے کا گوشت عام کھاتے ہیں ہم نے تعجب کیا تو ایک صاحب بولے یہ مہاتما بدھ کا زمانہ نہیں جناب۔

اندلس میں مسلمانوں کو مور کہا جاتا ہے سیلون میں بھی یہی نام دیا جاتا ہے لیکن فقط سیلون کے قدیم مسلمان باشندوں کو باقی مسلم ہی کہلاتے ہیں غلبا پر تگیزوں نے یہ نام دیا ہوگا سیلون میں غالب آبادی بودھوں کی ہے یعنی ساڑھے ۶۴ فیصد دی ہندو بیس فیصد ہیں جن میں زیادہ تر جنوبی ہند آئے ہوئے اور تامل بولنے والے ہیں عیسائی نو فیصدی سے کم اور مسلمان پونے سات فیصدی کپڑے والوں کی دکانیں زیادہ تر سندھی ہندوؤں کی ہیں ایک صاحب کو معلوم ہوا کہ ہم کراچی سے آئے ہیں تو بولے سندھی جانو ہم نے کہا سندھی نہ جانو اردو جانو میر پور خاص کی طرف کا بنیا تھا جوہری اکثر و بیشتر مسلمان ہیں سیلون کے مسلمانوں کی اکثریت خوش بھی ہے اور خوش حال بھی۔۔۔ابھی تھوڑے دنوں پہلے تک سیلون کے وزیر تعلیم ایک مسلمان تھے غالبا بدیع الزماں نام تھا تعلیم ان کی علی گڑھ میں ہوئی تھی بلکہ وہاں ڈاکٹر اختر حسین اور سید سبط حسن وغیرہ کے دوست اور ہم زمانہ رہے تھے

سودیشی ریل سے ایک سفر

جب کولمبو کے گرد گرما سے جی اچاٹ ہوا تو ڈاکٹر اختر حسین نے کہا اٹھاؤ ڈھول اور تاشے اور چلو کینڈی۔

کینڈی کولمبو سے ۷۲ میل دور پہاڑ پر واقع ہے اور گزشتہ صدی تک سیلون کے سنکھائی بادشاہ ہون کا پایہ تخت یہی تھا کینڈی کی گاڑی علی الصلاح چھوٹتی ہے اور چانکہ ہمیں بہت صبح اٹھنے کی مشق نہیں رہی لہذا فکر کے مارے رات میں تین بار جاگے شیو رات ہی کو کے سوئے تھے کہ پھر سحر ہو نہ ہو کسے معلوم۔

چھ بجے تھے یا ساتھ صحیح یاد نہیں لیکن اس کولمبو اسٹیشن پر بوہن ہمیں سے ہوئی ٹکٹ کی کھڑکی ابھی بند تھی کیونکہ بکنگ کلرک غسل خانے گئے ہوئے تھے عجب اجاڑ اجاڑ سا اسٹیشن تھا اور اب سے کوئی تیس برس پہلے کا منظر پیش کرتا تھا لدھیانے کا اسٹیشن یاد آیا لیکن کولمبو کا اسٹیشن اتنا بڑا نہیں بعض پٹڑیاں تو زنگ آلود بھی تھیں ہوسکتا ہے کہ اکثر بارش کی وجہہ سے یہ کیفیت ہو لیکن ہمیں یہی گمان ہوا کہ انگریزوں کے جنے کے بعد سے ان پٹڑیوں پر کوئی ریل نہیں آئی انجن بھی دہ دھواں دھار پرانی وضع کے چھک چھک کرتے جو ہم نے بچپن میں دیکھے تھے اور جن کی پیٹھ پر اونٹ کی طرح کوہان سے نکلتے رہتے ہیں ہمارے پاس فقط دو چھوٹے چھوٹے بریف کیس تھے جن کے لئے قلی کی ضرورت نہ تھی کراچی اور لاہور کے قلی ایک بار جتنا اٹھا لیتے ہیں دو، دو بستر ایک دوسری کی بغل میں دو دو تین تین سوٹ کیس ایک پر ایک لٹکا ہوا پھل کی ٹوکریاں صراحیاں ناشتہ دان وغیرہ اس کو دیکھتے ہوئے تو ہم جیسے دس مسافروں کے لیئے قلی بہت تھا لیکن ہمیں دیکھتے ہی چار چھ ننگ دھڑنگ قلی بھاگے آئے ایک نے ہمارا بریف کیس تھا جس میں دو قمیض اردو پاجامے تھے ایک ڈاکٹر صاحب کا ہمارے ہاتھ میں ایک اخبار تھا ایک قلی اسے اٹھانے پر مصر تھا اور ڈاکٹر اختر حسین کے ہاتھ میں تھری کیسل کی سگریٹ کی ڈبی ایک اس کے درپے ہوا۔

اس برعظیم میں جوں جوں مشرق اور جنوب کی طرف بڑھتے جایئے لوگوں کی بدحالی اور نکبت بڑھتی جاتی ہے دو دو چار چار آنے بھی مل جائیں تو ناشتے کا سامان ہو جاتا ہے خیر ہم نے تھوڑی دیر گھوم پھر سے فسٹ کلاس کے ٹکٹ لئے دس دس روپے ہی کے تو تھے اور چونکہ ابھی گاڑی کے پلیٹ فارم پر آنے میں وقت تھا لہذا ایک بینچ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے تھوڑی دیر میں یوں لگا جیسے ابر سا چھا گیا ہو نظر اٹھا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تین آدمی بینچ کے پیچھے کھڑے ہمارے اخبار سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اوت تین سامنے اکڑوں بیٹھے دوسرا سفر دیکھ رہے ہیں جہاں جہاں کوئی مسافر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا اسی طرح شہد کا چھتہ بنا ہوا تھا معلوم ہوا کہ یہ وہ گاڑی ہی نہیں یہ تو فقط بشارت دینے آئی ہے کہ آپ کی گاڑی بھیاب آئی ہے آخو در مقصود ہاتھ آیا اس میں اول درجہ بھی تھا لیکن ملکہ وکٹوریہ کے عہد کا ڈبہ تھا گدوں پر غلاف میلے چیکٹ لہذا اخبار بچھا کر بیٹھنا پڑا ایک طرف کاریڈو تھی اور تین سیٹوں کی کولکیاں سی بنے ہوئی تھیں جن میں آسانی سے پاؤں بھی نہ پھیلایا جاسکیں غسل خانے کے اندر نہیں بلکہ پرلی طرف غسل خانے کے دروازے دونوں طرف کھلتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہماری طرف کا دروازہ تو فقط اندر سے بند نہ ہوتا تھا لیکن اس جوڑے کی طرف کا دروازہ باہر سے بھی بند نہ ہوتا تھا ایسے میں غسل خانے استعمال کرنے کا سوال نہ تھا صبر شکر کر کے بیٹھ رہے یہ نوجوان بھی پاکستانی ہمارے پاس تو بریف کیس تھے یہ اس سے بھی خالی ہاتھ تھے۔

تھوڑی دیر بعد فضا پر ہلکا ابر چھا گیا اعداد شمار کے دلدادگان کو معلوم رہے کہ سیلون میں سالانہ بارش کا اوسط ۲۱،۹۳، انچ ہے اور ٹمپریچر میں میں سردی اور گرمی کا فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی بہت غیرت والا ہی محسوس کر سکتا ہے جون میں اوسط ۸۱،۴۰ درجے ہے اور جنوری میں شاندار رعایت کرکے ۷۹،۴۰ پر اتر آتا ہے سیلون کا نقشہ تو آپ نے دیکھا ہوگا جیسے ایک مخن سی نارنگی یا ناشپاتی رکھی ہو اس جزیزے کی چوڑان کہیں بھی ۱۴۰ میل سے زیادہ نہیں اور لمبان کی انتہا اس سے دوگنی سمجھئے یعنی ۲۷۰ میل ہے کراچی چھاؤنی سے حیدآباد ۱۰۸ میل ہے اور اس سے اگلا جنکشن ٹنڈو آدم ۱۴۲ یعنی لنکا کی چوڑائی سے دو میل زیادہ لمبان میں کراچی چھاؤنی تا ٹنڈو مستی خاں سمجھ لیجئے جو روہڑی سے تین اسٹیشن پہلے ہے روہڑی جنکشن کراچی چھاؤنی سے ۲۹۳ میل پر ہے۔

خیر ذکر ابر کا تھا ابر آیا اور تھوڑی دیر میں برسا بھی گاڑی ہر اسٹیشن پر رکتی گئی اور یہ اسٹیشن زیادہ تر ویسے ہی تھے جیسے کسی پنجر لائن پر ہوتے ہیں راستے میں ایک آدھا جگہ کے سوا اکا دکا مسافر چڑھے اترے خاصی دیر تو ڈاکٹر اختر حسین اپنی داستان حیات سناتے رہے خصوصا ان ایام کی کہانی جب کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ تھا اسکے بعد تجویز ہوئی کہ چائے جائے معلوم ہوا کہ ڈائنگ وغیرہ کی کوئی کار تو ہے نہیں کیونکہ فاصلے اتنے چھوٹے ہیں کہ ناشتہ اس شہر تو لنچ کرکے شام چلو تو شام کی چائے پی جائے کہ ناشتہ کھائیں جو دلی میں تو لندن میں ٹفن البتہ ایک چائے والے اسٹال گاڑی کے کسی ڈبے میں تھا اور اس سے بار بار فرمائش کرنی پڑی کہ صاف برتن ہوں تو لانا چائے آئی اور اس کے ساتھ کیک بھی آئے معلوم ہوا کہ جس طرح ہمارے بعض کتب فروش کتاب کے ساتھ خلاصہ ضرور دیتے ہیں اسی طرح چائے کا شوق ہے تو کیک بھی کھانا ہوگا یاد نہیں کہ کیک کھایا نہیں جاتا اتنا یاد ہے کہ پانچ روپے کا بل تھا کینڈی سے پہلے پیری ڈینیا کا اسٹیشن پڑتا ہے یوں سمجھئے کہ کراچی سے پہلے لانڈھی یا ملیر کینڈی کی یونیورسٹی پیری ڈینیا گارڈنز کہتے ہیں اسی گارڈن اور یہیں وہ مشہور معروف باغات ہیں جنھیں پیری ڈینیا گارڈنز کہتے ہیں اسی کی گارڈن میں وہ پورا ہے جو صدر ایوب کے دورے کے دوران میں انکی صاحبزادی نسیم اورنگ زیب نے لگایا تھا یہ ہمارے جانے سے چند ماہ پہلے کی بات تھی اور یہ پودا جس کا نام بھی نسیم رکھا گیا تھا ہمیں خاص طور پر دکھایا گیا لیکن باغ دیکھنے کی بات تو شام کی ہے پیری ڈینیا اسٹیشن پر یونیورسٹی کے لائبریرین مسٹر سوم داس (لنکا کے تلفظ کے مطابق سوم ادا) پیشوائی کے لئے موجود تھے اور ہمیں اپنی گاڑی میں شہر چھوڑ گئے کولمبو اور کینڈی کی فضا میں زمین آسمان کا فرق ہے سبزہ، ہریولی اور پہاڑ تو کولمبو نکلنے کے بعد ہی شروع ہو گئے تھے جیسے اسلام آباد سے مری کے راستے میں کینڈی تو بالکل مری تھا وہ بھی سمجھانے کے خیال کہہ رہے ہیں ورنہ کینڈی سے تشبیہ دینا مری کی عزت افزائی ہے۔

شہر شروع ہوا تو کولمبو کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کی دوکانوں کے بورڈ نظر آتے ہیں نور کمپنی مزمل ہاؤس وہاب اسٹور وغیرہ آگے ایک چوک میں مسلم ہوٹل نظر آیا ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا ہم کیوں کوئنز جائیں جبکہ ہوٹل موجود ہے انہوں نے کہا کہ تمہارا اسلامی جذبہ قابل تعریف ہے لیکن میری مانو رہو کوئنز ہوٹل ہیں ہاں کھانے کی کہتے ہو تو لنچ یہاں کرلیں گے اس پر سمجھوتہ ہو گیا اور ہم کائنز ہوٹل میں جا اترے کوئینز ہوٹل کینڈی کا سب سے پرانا اور مشہور ہوٹل ہے اور کینڈی کی مشہور جھیل کے بالکل سامنے واقع ہے سیلون آنے والے مشاہیر اور سیاح یہیں ٹھہرتے رہے ہیں اور اس کی فضا ہندوستان کے پرانے انگریزی ہوٹلوں کی سی ہے چوڑے چوڑے کاریڈور بڑی بڑی گدے دار کرسیاں۔ وسیع، وعریض، اور پر تکلف خواب گاہیں ہر طرف ساگوان اور آبنوس کے پینل میں بھی ستر اسی فیصد غیر ملکی معلوم ہوا اور شخصیتوں کے علاوہ سومرسٹ ماہم گراہم گرین وغیرہ بھی یہاں رہے ہیں اور اپنے ناولوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے ہوٹل کے کلرک نے یہ معلوم ہونے پر کہ ہمارا تعلق

بھی لکھنے پڑھنے والوں سے ہے رجسٹر میں ان بزرگوں کے دستخط بھی دکھائے سارا عملہ خلیق اور متواضع تھا اور ہمیں جو کمرہ پہلی منزل پر ملا وہ ایک طرح سے انتخاب تھا اس کیکھڑکیاں عین جھیل اور پر کھلتی ہیں اس کے پیچھے پہاڑی تھی اور اس پر بدھ کا ایک مندر تھا یہ جھیل مصنوعی ہے اور اسکے چوگرد سیر کے لئے ایک عمدہ سڑک ہے لیکن اب بھوک لگنی شروع ہو رہی ہے لہذا سامان رکھ رجسٹر میں نام لکھوا کر ہم لوگ عازم مسلم ہوٹل ہوئے۔

مسلم ہوٹل ویسا تھا جیسا کراچی کی بلٹن مارکیٹ کے کسی ملباری ہوٹل کو ہونا چاہئے نیچے دہی پونا کڑک چائے کا ریستوران اور اوپر شرفا کے کھانے کا انتظام بیرے نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے جو آدھی درجن الفاظ ہندوستانی کے آتے ہیں ان سے ہمارا خیر مقدم کیا اور ایک کیبن میں لا بٹھایا معلوم ہوا حسن قادر نام ہے اور مینی دیکھ چکے ہیں قدم ان کے پھر کی کی طرح گردش کرتے ہیں اور زبان قینچی کی طرح چلتی تھی اور انگریزی سنکھالی اور ہندوستانی سب کو ایک سا کترتی چلی جاتی تھی۔

ہم سے پہلے کوئی صاحب کھانا کھا گئے تھے اور اسکے آثار باقیہ ابھی تک میز پر تھے ہم نے حسن قادر صاحب سے کہا کہ میز پوش بدلو اس پر انہوں نے کاندھے سے جھاڑن اٹھا کر ہڈیاں ادھر پھینکیں اور چاول دوسری طرف زمین پر گرانے کے ہمیں مطلع کیا کہ میز صاف ہے اور حکم دیجئے۔

ہماری بھوک چمک رہی تھی اسلئے جو کچھ مینو میں سمجھ آیا ہم نے آرڈر میں کہہ دیا اور کہا کہ چکن پارچہ ضرور ہو تھوڑی دیر میں میاں حسن قادر چار آدمیوں کا کھانا لے آئے شوربے میں ناریل کا تیل تھا جو ہمارے نزدیک کسی ہیر آئل سے کم نہیں تھا لیکن گھی کا نعم البدل نہیں لہذا اسے چوم کر چھوڑ دیا ہاں چاول اور چکن سے شکم پری کی پانی وہاں بھی بیرے گلاس میں انگلیاں ڈبو کر لاتے تھے لہذا اورنج اور سوڈا سے پانی کا کام لیا اور بل دے کر ہم اس بات پر شکر کرتے ہوئے ہوٹل واپس چلے آئے کہ اپنی اخوت اسلامی کو بے لگام نہیں ہونے دیا اور مسلم ہوٹل مین طعام کے علاوہ قیام نہیں کیا۔
اس کے بعد کھانا چینی کھایا ایک ولایتی اور پاکستانی۔۔۔اپنے دوست ڈاکٹر اختر امام کے ہاں جو پہلے پاکستان کی فارن سروس میں تھے اور اب پیری ڈینیا یونیورسٹی میں عربی پڑھاتے ہیں اور سیلون میں شادی کر کے اسی کو بنا لیا ہے مسلم ہوٹل میاں حسن قادر اور اخوت اسلامی ان کا ارکان ثلاثہ سے البتہ آخو تک گریز رہی مناسب معلوم ہوا۔

لنکا کے لاہور کینڈی میں

یہ کینڈی ہے کولمبو سے ستر میل دور سبزے سے پٹے ہوئے کوہساروں کے درمیان صدیوں تک یہ شہر سنگھائی راجوں کا پایہ تخت رہا حتی کہ اٹھارویں صدی کے آغاز میں اس خاندان کے آخری راجے نے جیسا کہ ہر خاندان کا آخری راجہ کیا کرتا ہے کرتا ہے لوگوں پر ستم ڈھانا شروع کیا اور اس کے سرداروں نے ایکا کر کے اسے تخت سے اتار دیا اور مملکت کی کلید سلطانی کولمبو آ کر انگریزوں کے حوالے کر دی کہ بسم اللہ تشریف لایئے اور راج کیجئے انگریزوں کو یہاں لڑ بھڑ کر قصبہ نہیں کرنا پڑا بلکہ حکومت ان کو پیش کی گئی ہاں ایک معاہدہ کیا گیا کہ لوگوں کو زبردستی عیسائی نہ بنایا جائے گا انصاف سے کہنا پڑتا ہے کہ جس صلح صفائی سے انگریز آئے اسی صلح سے چلے گئے بیان کیا جاتا ہے کہ جب ۱۹۴۷ء میں ان لوگوں نے ہندوستانی اور پاکستان سے رخت سفر باندھا تو سیلون والوں سے بھی اجازت چاہی کہ مکان سے جا رہے ہیں تو غسل خانہ اپنے پاس رکھ لیا کریں گے لوگوں نے کہا بھی کہ آپ کا گھر ہے چندے اور قیام کیجئے لیکن مسافر کا جی اکھڑ گیا ہے آخر فرمائش کی گئی کہ آپ آزادی دینے پر ایسا ہی اصرار کرتے ہیں تو اپنی یاد دلانے کو ایک گورنر جنرل ہی چھوڑ جایئے یہ بات البتہ مان لی گئی اور کچھ دنوں وہاں کا گورنر جنرل ہی چھوڑ اور کچھ دنوں وہاں کا گورنر جنرل انگریز رہا۔

لنکا میں انگریزوں سے ان مخلصانہ تعلقات کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ساحلی علاقوں کی حکومت جن میں کولمبو بھی شامل ہے لنکا والوں سے نہیں ولندیزیوں یعنی ہالینڈ والوں سے چھینی اور انہوں نے پرتگیزوں سے ہتھیائی تھی۔ ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرح یہاں بھی چلے آئے اور حسب دستور سنگھائی راجاؤں سے ایک فیکٹری قائم کرنے کی اجازت لی۔ ان دنوں سنگھائی راجاؤں کا بڑا پایہ تخت کولمبو کے قریب کوئی میں تھا۔ پرتگیزوں کا تعصب اکھڑپن اور ہمت ہمیشہ سے مشہور ہے لہذا لوگوں کو پرتگیزی پسند آئے اور کوئی کے راجا بھی چونکہ کمزور اور نالائق تھے۔ لہذا اٹوڈی ٹھرے اور کینڈی میں ایک آزاد بادشاہت کی بنیاد رکھی شمال میں تامل راجاؤں کی حکومت کو تو سترھویں صدی کے وسط میں پرتگیزی کونکالا کینڈی کے راجاؤں کا کچھ نہ بگاڑ سکے یہ نسبتا اچھے لوگ ثابت ہوئے انھوں نے پل چارہ گرجا اور تالاب وغیرہ فیض کے اسباب بنائے اور نام پیدا کیا ڈیڑھ صدی بعد ۱۷۹۸ء میں انگریزوں اور دلنزیر جاتے ہوئے اپنی اولاد البتہ چھوڑ گئے یہ لوگ بر گھر کہلاتے ہیں آباد ان کے پرتگیز اور دلنزیز ہو جاتے ہیں آباد ان کے پرتگیز اور دلنزیز اور شاذ صورتوں میں انگریز اور مائیں سیلونی تھیں۔

کینڈی کو لنکا کا لاہور یعنی ثقافتی مرکز کہا جاتا ہے کینڈی میں راجاؤں کے محالات کی باقیات موجود ہیں لیکن زیادہ تر لوگ پیری ڈینیا کے باغات اور بدھ کے دانت کے مندر دیکھنے جاتے ہیں یہ باغ جن کے درمیان پیری ڈینیا یونیورسٹی ہے کینڈی سے کوئی پانچ دس میل فاصلے پر ہیں اور صدیوں پرانے ہیں کہتے ہیں کہ راجا کروم باہو دوم نے ان کی بنا رکھی تھی یہ سطح سمندر سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی اونچائی پر ہیں سوم داس صاحب یونیورسٹی لائبرین نے پہلے اپنا گھر دکھایا جو قلعہ کوہ پر واقع تھا اور میلوں دور کے نظر فریب جنگل وہاں سے دکھائی دیتے ہیں ہم نے کہا کہ اتنی اچھی جگہ رہ کر کسی کا کتابیں پڑھنے کو کیا جی چاہے گا ڈاکٹر اختر حسین سے بھی یہی سوال کیا کہ زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو کیا کرے اس پر دونوں ہنس دیئے یونیورسٹی کے بلاک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان بھی باغوں کے سلسلے ہیں یہ لگتا ہے کہ طلباء اور طالبات کے ہجم یہاں پڑھنے نہیں پکنک منانے آئے ہیں ایک چکر ہم نے لائبریری اور بدھسٹ انسائیکوپیڈیا کے دفتر کا کاٹا جو اسلامی انسائیکلر پیڈیا سے بھی ضمیم ہوگئی اور جس پر دن رات اسکالر محنت کر رہے ہیں پھر ڈاکٹر اختر حسین امام

کے کلاس روم میں گئے ان کی عربی کلاس میں اس وقت دس کے قریب طالبعلم تھے اور وہ ان کو جاحظ کے اشعار کے ساتھ ساتھ اردو فارسی اشعار بھی ان کے لکچر میں شامل ہوتے گئے آخو ہمیں توجہہ دلانی پڑھی کر یہ سیلون یونیورسٹی ہے۔

ڈاکٹر اختر امام عجیب شخصیت ہیں یہ مشہور نقاد نواب امداد امام اثر کے پوتے ہیں جن کی تصنیف کاشف الحائق مشہور ہے تعلیم ان کی علی گڑھ میں ہوئی اور بعد ازاں جرمنی سے انھوں نے ڈاکٹریٹ کی دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں یہ کولمبو میں عربی اور اسلامیات وغیرہ پڑھاتے تھے پاکستان بننے کے بعد فارن سروس میں آئے اور مختلف ملکوں میں سفارتی خدمات بجالائے غالباً انڈونیشیا میں تھے کہ استن دے کر دوبارہ سیلون چلے گئے اور ازراہ جوہر شناسی ایک سیلونی مسلمان خاتون سے جو وہاں کے ایک معزز جوہری خاندان سے تعلق رکھتی ہیں شادی کر کے وہیں آباد ہو گئے اب وہ شہریت کے اعتبار سے سیلونی ہیں لیکن معاشرت کے اعتبار سے پاکستانی ان کی بیگم بھی اردو بولتی ہیں ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کر کے یہ ہم سبق تھے اور اب یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کو ہمراز کہہ کر پکارتے ہیں پچھلے دنوں کراچی آئے تو ادبی محفلوں اور اسلامی جلسوں کی رونق بنے رہے ایک روز گھر پر ملنے تشریف لائے ہمیں باہر تک آنے میں دیر ہوئی تو یہ سامنے قوالی کے جلسے میں چلے گئے اور پھر صبح تک بیٹھے سر دھنتے رہے۔

ہمارے ہوٹل کے پاس کی گلی میں ایک پر فضا ذاتی مکان میں ان کا قیام تھا دوپہر کا کھانا ہم نے ان کے ہاں کھایا اور وہ پاکستانی کھانا تھا سارے کینڈی میں لوگ چاول کھاتے ہیں ڈاکٹر اختر امام کے گھر سے چپاتیاں پکنے کی آواز آتی ہے

پیری ڈینیا کے باغ میں پان کی دکان اور باورچی خانے کا پورا سامان تھا ہم نے لونگ درختوں میں لگے ہوئے پہلی بار دیکھے درخت پر پک کر بھی ان کی رنگت سبز ہی ہوتی ہے رکھے رکھے کالے پڑ جاتے ہیں الائچی کے پودے بھی تھے دارچینی کے درخت بھی اور کالی مرچوں کے پیڑ بھی بارہ مسالوں کا باغ تھا اور خوشبو سے مہکا ہوا تھا ہم باغ اسی کا ایک حصہ تھا جس میں بیگم نسیم اورنگ زیب کا لگایا ہوا پودا لہلہا رہا تھا ہم باغ دراغ کی سیر سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا اب مزید سبزے کی ہماری آنکھوں میں گنجائش نہیں فی الفور بدھ کے دانت کا مندر دکھاؤ گاڑی چھوٹی جا رہی ہے سوم داس نے کہا اچھا شام کو۔

شام کو سوم داس آئے اوپر سے نیچے تک بھکشو بنے ہوئے تھے اور ہاتھ میں چڑھاوے کے لئے پھولوں کی ٹوکری لئے ہوئے تھے ایک ایک ٹوکری انھوں نے ہمارے ہاتھ میں بھی تھمائی اور کہا سلیپر ین لو وہاں اتارنے پڑیں گے روایت ہے کہ بدھ کا یہ دانت اصلی نہیں بناسپتی ہے اصلی دانت تو پرتگیز گوا لے گئے تھے اور سولہویں صدی کے وسط میں انہوں نے ضائع کر دیا لیکن بودھوں کا کہنا ہے کہ نہیں اصلی دانت چھپا لیا گیا تھا اور وہی اب کینڈی کے مندر ہیں بہر حال یہ مندر اس دانت کی وجہ سے سیلون کی مقدس ترین زیارت گاہ بن گیا ہے اور ہر سال اگست میں پودے چاند کی رات کو میلے اور جشن کے ساتھ اس کا جلوس نکلتا ہے اس جلوس کی دھج دیکھنے کے قابل ہوتی ہے سیلون سے لاکھوں ہزاروں یاتری کینڈی می ہجوم کر آتے ہیں پہلے تو ہاتھیوں کی پریڈ ہوتی ہے جن پر موتیوں اور جواہر سے لیس رنگ برنگے جھول پڑے ہوتے ہیں ان میں سب سے شاندار ہاتھی کو سب سے شاندار مرصع جھول سے آراستہ کر کے اس پر بدھ کے دانت کا صندوقچہ رکھا جاتا ہے لوگوں کے ا

ودے اودے نیلے پیرہن اس رونق کو چار چاند لگاتے ہیں ان ہاتھیوں کے آگے آگے گیروئے لباسوں میں ملبوس بھکشوؤں اور رنگارنگ ملبوسات میں اونچی بنے امیروں اور سرداروں کے غول ہوتے ہیں سر پر جوگوشیہ ٹوپیاں اور رنگارنگ جھلملاتی ریشمی باسکیٹیں بعضے تو سنا ہے ڈیڑھ ڈیڑھ سو گز کا ریشمی تھان لپیٹ کر چلتے ہیں کچھ کاندھے پر ڈالا اور باقی کمر کے گرد لپیٹ لیا ان سے آگے ڈھول تاشے اور نفیروں والے جن کی آواز سے کان پڑی آواز سنائی نہ دے اور سب سے آگے چاؤش اور باش پکارتے ہیں اور کوڑے لیراتے ہیں ان کوڑوں سے وہ نادیدہ را کشوں کو بھگاتے ہیں باجے والوں کے لباس سفید اور بیشمار منکوں کی مالائیں زیب گلو ہوتی ہیں اور ان میں سے کچھ ناچتے بھی جاتے ہیں دانت کا صندوقچہ چاندی کا ہے اور بھاری بھرکم بھی اور اس کو کھولئے تا ایک اور منقش جواہر آلود صندوقچہ نکلے گا اس میں سے ایک اور منقش تربوں ایک کے بعد ایک سات صندوقچے ہیں اور آخری میں وہ دانت ہے جس کے لئے اس تجمل اور شکوہ کا بندوبست کیا جاتا ہے اور جس کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ بدھ کا ہے ہی نہیں۔

لیکن یہ تو جلوس کی بات ہوئی جو فقط ساون کی پورے چاند کی رات کو نکلتا ہے ہم وہاں جنوری میں تھے اور ہم نے یہ دانت مندر میں دیکھا اور مندر کا ماجرا جو چشم دید ہے اس سے الگ ہے۔

دانت کے درشن

جس طرح دہلی لال قلعہ کی وجہ سے آگرہ تاج محل کے نام پر لاہور شالا مار باغ کی نسبت سے خوجہ شلجم کے اچار اور قصور اپنی میتھی کی خوشبو سے مشہور ہے اسی طرح کینڈی کی شہرت کا رشتہ مہاتما بدھ کے دانت کے مندر سے بندھا ہے۔

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اور پر مہاتما کا یہ دانت کھانے کا بھی ہے اور دکھانے کا بھی آیا یہ گوتم بدھ کے کھانے کے کام آتا رہا ہے یا کسی اور کے یہ امر تحقیق نہیں لیکن اس سے ہمیں غرض بھی نہیں۔

تو صاحبو؛ سوم داس جی ہمیں بدھ ویو کے مندر میں لے گئے اس شان سے کہ وہ گیر دا جامہ زیب تن کئے کھڑاؤں سے کھٹ پٹ کرتے جا رہے تھے اور یہ بندہ اور ڈاکٹر اختر حسین نعلین در بغلین خضر کی صورت بزرگ صرف مسجد میں نہیں مندر میں بھی ہوتے ہیں اس لئے جوتوں سے ہوشیار رہنا بھی عبادت کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے ہم تو پھر ہم تھے وہاں کچھ فرنگی نژاد سیاح بھی اسی حلئے میں تھے خیر ایک رکھوالے مل گئے اور ہم یہ امانتیں ان کے سپرد کر کے سبکدوش ہو گئے۔

اس مندر کے دو دروازے ہیں ایک بغلی ایک سامنے کا، دونوں سڑک سے خاصے اونچے متعدد سیڑھیاں چڑھ کر عمارت کی کرسی آتی ہے اندر ڈیوڑھیاں ہی ڈیوڑھیاں اور ستون ہی ستون ہیں ایک طرف قد آدم سے بھی بڑے بڑے شیشوں میں بودھ دیو مجسمے مختلف شکلوں میں اور مختلف سائزوں میں ٹکے ہوتے ہیں اور کپل دستور کے راجکمار کے جمال جہاں آرا کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں اور ہر ستون کے ساتھ ڈھول پیٹنے والوں کے نیم برہنہ غول پر چوب لگائے جا رہے ہیں ادھر رپی طرف نفیریوں والے ہیں شور اس بلا کا ہوتا ہے کہ کونوں کے پردے کانوں کے پردے پھٹ جائیں ڈھول والے کے چوب کی ہر ضرب سیدھی آپ کے دماغ پر پڑتی ہے اور اگر آپ چاہیں کہ اس اجاطے میں زبان نطق سے کوئی بات کرلیں تو یہ خیال خام ہے کسی کو کچھ کہنا سننا ہے تو اشاروں سے کلام کرے یہ ڈھولکئے بھی خاندانی ہیں یعنی ان کے بپ دادا نگڑوا اتا بہ ہفتاد پشت کی زندگی اسی مندر میں ہر شام بلا ناغہ ڈھول پیٹنے گزری ہے ان کو ثواب کے علاوہ یافت ہوتی ہے غالبا جاگیر بندھی ہے۔

یہ شور بے محابا ہر شام چار بجے شروع ہو جاتا ہے اور سات آٹھ بجے تک رہنا ہے ڈیوڑھیوں سے کئی غلام گردشیں ادھر ادھر کو جاتی ہیں لیکن دمدان مقصود جن سنہری اور روپہلی صندوقچوں میں بند ہے وہ وسطی حصے میں ایک شہ نشین پر ہے اور اس کے لئے سات دروازوں میں سے گزرتا ہوتا ہے ایک دروازے تو بخشیش کی غرض سے ملکی اور فرنگی سیحوں کو بھی دکھائے جاتے ہیں اس سے آگے کسی غیر بودھ کا بلکہ ہرایرے غیرے بودھ کا جانا محال ہے ہمیں سوم داس کی عنایت سے ساتوں دروازے اور وہ صندوقچہ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی لیکن دانت ہم نے بھی نہیں دیکھا فقط فرض کر لیا ان صندوقچوں کو ہر روز غسل دیا جاتا ہے اور ان پر پھول چڑھائے جاتے ہیں پریہار کے تہوار کا ذکر ہم کر چکے ہیں جو ساون کی پوری نمائشی کو ہوتا ہے اور جس میں ہاتھیوں پر اس دانت کے صندوقچے کا جلوس نکلتا ہے کوئنز ہوٹل کے سامنے جو جھیل ہے اسکے اطراف میں اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں ان میں سے ایک پہاڑی پر ایک مندر بھی نظر آتا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس پر پر ہیار کی رات کو ایک کنواری کی قربانی دی جاتی تھی پر دہت کنواری کو نامزد پہلے سے کر لیتے تھے اور اس کی سال بھر دلہن کی طرح پرورش اور نگہداری ہوتی تھی قربانیکی رات پہاڑی پر جا بجا الا سلگائے جاتے تھے اور پھر یہ قربانی کی رسم اور کی جاتی تھی لنکا میں کینڈی کے اسجا نباز دولہا کی داستان مشہور ہے اور عوامی گیتوں کا موضوع ہے جو جان پر کھیل کر اپنی منگیتر کو عین قربانی کے چبوترے سے بچالا یا تھا یہ قربانی غالبا اس صدی کے آغاز تک ہوتی رہی اس کے بعد موقوف ہوئی۔

بدھ کے دانت کا مندر دیکھنے کے بعد سیاح کے لئے کینڈی میں مزید قیام کا اخلاقی جواز باقی نہیں رہ جاتا سیاح اگر آگرے جاتا ہے تو یہ دیکھنے کے لئے کہ تاج محل اپنی جگہ پر قائم ہے اور لاہور جاتا ہے تو یہ اطمینان کرنے کے لئے کہ وہاں شاہی مسجد نام کی واقعی ایک عمارت اور شالا مار نام کا ایک سچ مچ کا باغ ہے تاکہ وہ وطن واپس جاکر لوگوں کو یہ بتا کر رشک سے جلا سکے کہ میں نے یہ چیزیں اپنی اانکھوں دیکھی ہے یہ فقط انسان کی فطرت ہے ورنہ کوہ چھپائی کرنے والوں سے کوئی پوچھے کر پہاڑ پر سوائے برف اور پتھروں کے کیا رکھا ہے اور لونگ سٹون نے افریقہ کے جنگلوں میں دور دھوپ کی تو اسے کیا ملا پھر سنتے ہیں کہ فلاں جوڑا صحرائے اعظم کی تفتیش کو نکلا ور پھر اس کا سراغ نہ ملا چار پائی پر لیٹنے اور لیٹے رہنے میں جو آسودگی ہے اسے یہ نادان کیا جانیں۔

تو قصہ یہ کہ ینڈی ایسا پر مقام ہے کہ جی چاہتا ہے عمر یہیں بسر کیجئے بودھ دانت کے مندر سے قطع نظر ہر طرف سکون ہے لیکن اے غم دوراں یہاں فرصت کسے چل سو چل،

کوئنز ہوٹل کے برآمدے میں بھی ایک ٹریول سروس والا بیٹھا تھا اس سے نوریلیا آنے جانے کا بھاؤ پوچھا تو معلوم ہوا پچپن روپے لگیں گے سوچا کسی اور سے معاملہ کرنا چاہئے بسوں کے اڈے پر کئی ٹیکسیوں ایک شخص عجب حرفوں کا بنا ہوا بیٹھا تھا اور دیدے گھما گھما کر باتیں کرتا تھا اس کا نام پریرا تھا اور اس نے کہا آپ کو کسی ایسی سیر کراؤں گا کہ عمر بھر یاد رہے اب یہ خیال نہیں کہ اس نے کہا مانگا تھا لیکن چالیس روپے میں معاملہ طے ہو گیا یعنی یہ کہ نوریلیا جانا وہاں دوپہر بھر توقف کرنا اور شام کو ٹیکسی میں واپس ریلوے اور اسٹیشن پہنچانا نوریلیا سے ریل بھی آتی ہے جو پیری ڈینیا سے کولمبو کی طرف ایک اسٹیشن پر آکر ملتی ہے یعنی کینڈی واپس آنے ضرورت نہیں ہوٹل آکر مینجر سے ہم نے کہا کہ ٹریول سروس والا تو لوٹتا ہے ہمیں ایک ایسا مستعدد ڈرائیور مل گیا ہے جو چالیس روپے میں آنا جانا مان گیا ہے مینجر نے کہا اس مستعدد ڈرائیور کا نام پریرا تو نہیں ہم نے کہا بے شک اس نے کہا وہ شخص دوبار جیل ہو آیا ہے ہم نے کہا وہ تو کہہ رہا تھا کہ ایسی سیر کراؤں گا کہ عمر بھر یاد رہے مینجر صاحب بولے سچ ہی تو کہہ رہا ہے اس غریب الوطنی میں پندرہ سے زیادہ اپنی قیمتی نظر آئی لہذا ہم نے پچپن روپے پر ٹرہول سروس ہی سے معاملہ کرلیا اس دوران میں ہمیں یاد آ گیا تھا کہ ریول سروس والا مسلما ن بھائی ہے اسے چھوڑ کر پریرا کافر سے معاملت کرنا حمیت دینی کے خلاف ہوگا ٹریول سروس والے نے یہ بھی ذمہ لیا کہ پریرا کو مطلع کردے گا کہ صبح دم آنے کی زحمت نہ کرے۔

صبح ابھی ہم جاگے ہی تھے کہ بیرے نے اطلاع دی ایک شخص سیڑھیوں پر کھڑا آپ کو یاد کر رہا ہے ہم نے کہا اس سے کہو کہ یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہم نے کہیں اور معاملہ کر لیا ہے لیکن وہ آسانی سے ٹلنے والی سامی نہ تھا اور اپنی اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں وعدہ خلافی کے اخلاقی اور اقتصادی پہلوؤں پر زور دے رہا تھا قیاس کہتا ہے ٹریول سروس نے اسے بروقت منع کرنا ضروری سمجھا آخو ہم نے پانچ روپے تاوان کے طور پر بھجوائے اس کے باوجود جب ہم ہوٹل کی ڈیوڑھی میں پہنچے وہ چابک لئے اپنی زبان کو قینچی کی طرح چلائے جارہا تھا ور اپنے بازو تہدیدی انداز میں اس وقت تک لہراتا رہا جب تک ہماری ٹیکسی حد نظر نہ نکل گئی۔

نوریلیا اور کولمبو کے راستے میں وہ مقام نظر آتا ہے جہاں مشہور فلم bridge on ahe

river kwai کے لئے پل بنایا گیا تھا جن لوگوں نے یہ فلم دیکھی ہے وہ یہ مقام دیکھنے بھی آتے ہیں اس کے علاوہ بھی کئی مشہور فلمیں جن میں منطقہ حارہ کے سین یں سیلون ہی میں فلمائی گئیں مثلاٹرز planters wife ایلی فنٹ واک elephant walk پرپل پلین بیچ purpel plai بیچ کومبر out cast of co mberthe asland beach وجہ اس کی ایک تو سبزے اور کوہساروں کی فرادنی دوسرے ہاتھیوں مہاوتوں اور مزدروں کی ارزانی افسوس کہ سیلون کی اپنی فلمیں وہی ستے داموں کا ملغوبہ ہوتی ہے جس سبزہ گل کے پیچھے باہر کے لوگ کے لئے گھر کی مرغی ہوتا ہے اب کس کس سے جا کے کہیں کہ اے غافل ا فغان اپنی خودی پہچان۔

جنت میں گمشدگی

ہمارے ڈرائیور کا نام سعید تھا اور اس کا کام ہی سیاحوں کو نوریلیا کی سیر کرانا تھا مرد معقول تھا انگریزی اچھی بولتا تھا اور اس طبقے میں جو متلق اور لالچ ہوتا ہے اس سے بری معلوم ہوتا تھا ایک وجہ اس کی طبیعت کے پسندیدہ ہونے کی یہ تھی کہ مسلمان تھا اور پاکستان سے ایک ارادت رکھتا ہے اس کی ٹیکسی میں ہم صبح دم آٹھ بجے یا کچھ پہلے روانہ ہوئے تھے اور نوریلیا کوئی تین گھنٹے کا راستہ ہوگا ممکن ہے کچھ زیادہ راستے کی جاذبت کا تو کیا کہنا جی کو راستہ بھر یہی تحیر رہا کہ سبزہ گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا اونچے اونچے پہاڑیوں کے سلسلے ہی سلسلے چلے گئے تھے جن کی ڈھوان پر چائے کے باغات تھے بعض جگہ چائے چننے والیوں کے غول بھی نظر آئے اور ایک پہاڑ پر کسی پلانٹر کا ورڈ نظر آیا lebukelly co ہم تو اسے بھی کسی انگریز یا پرتگیز کا نام سمجھتے تھے لیکن سعید نے بتایا کہ مسلمان ہے اب رہا نام تو علی تو اس میں صاف ہے جب جہاں کے لوگ صادق کو لکھ سکتے ہیں تو علی کو ایلی بھی بنایا جا سکتا ہے لیکن لبوق کیا ہے یہ معما حل نہ ہو سکا۔

راستے میں کہیں کہیں بستیاں تھیں اور آخر میں نوریلیا کی بست تھی چھوٹا سا بازار زیادہ تر کھپریلوں کے مکانات، کچھ دکانیں چائے کی اور کچھ اشیائے ضرورت کی یہاں ہم نے بھی چائے پی اور سعید نے بھی اور اب نوریلیا کے جنگلات یا باغات کی ڈھلانوں کا آغاز ہو گیا ڈھلانوں پر خوبصورت روپیش نبی تھیں جن کے دونوں طرف پھولوں کے تختے تھے پیچ در پیچ چڑھائیاں چڑھتے ہوئے جس میں ہر پیچ پر فضا اور خشک ہو جاتی تھی ایک نسبتاً مسطح حصے پر آ کر سیر کیجئے لیکن دیکھئے راستہ نہ بھول جایئے گا ایک بجے میں آپ کو یہیں ملوں گا پھر گرینڈ ہوٹل چل کر لنچ کریجئے گا۔

اس باغ خابی میں ٹیڑھی میڑھی روشیں اور راستے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے ہم نے ایک سر رشتہ پکڑا اور چل دیئے جو تختہ پھولوں کا سب سے زیادہ ہولا ویز نظر آتا ادھر کو ہو لیتے جگہ جگہ جھرنے آتے تھے جن پر چھوٹی چھوٹی پکیاں نبی ہوئی تھیں بیلوں نے پھیل کر اس رستے میں جا بجا محبت کرنے والے جوڑوں کے لئے جعفریاں باغبانوں نے تراش کا کمال دکھایا تھا کوئی کونا خود رو جنگل کی طرح بے ترتیب نہ تھا یہاں ہم نے اتنی قسم کے پودے اور اتنے رنگوں اور صورتوں کے پھول دیکھے کہ عمر بھر نہ دیکھے ہوں گے اور ہوا میں وہ شراب کی تاثیر تھی کہ جی چاہا یہیں ڈیرے ڈال دیجئے اور غم دوراں سے استغنیٰ بھیج دیجئے ڈاکٹر اختر حسین نے کہا اس کو آب وہوائے جنت کہتے ہیں ہم نے کہا کہ اگر جنت میں ایسی آب وہوا ہے تو ہمیں وہاں جانا منظور ہے کہ اگر کینڈی نے کولمبو کو بھلا دیا تھا نوریلیا کو دیکھ کر کینڈی جی سے اتر گیا۔

آخر وہی ہوا ان روشوں میں کھو کر ہم اتنی دور نکل گئے کہ واپسی کا راستہ یاد نہ رہا ڈاکٹر اختر حسین کہتے تھے ہم ادھر سے آئے تھے ہمارا خیال دوسری طرف کا تھا اور تو اور یورپ پچھّم اتر وکھن کا بھی چلانا محال تھا سر پر سورج نہیں ابر تھا ایک بار برس بھی چکا تھا ہم نے کہا ڈاکٹر صاحب اب کیا ہوا اس بھول بھلیاں میں میلوں تک آدم نہ آدم زاد ہمارا سراغ ملا بھی تو ہفتوں بعد ملے گا جب کوئی ادھر سے گزرے گا بولے ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے جنت میں جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی معلوم ہوتا ہے تمہاری سنی گئی لیکن میں نے ایسی کوئی خواہش نہ کی تھی اسے کہتے ہیں گیہوں کے ساتھ گھن کا پسنا تھوڑی دیر میں سبزہ و گل کی خوبصورتی بھی دھندلانے لگی اس لئے حواس خمسہ پر راستے کی فکر کے ساتھ ساتھ بھوک کا غلبہ ہونے لگا تھا۔

نوریلیا کے بغات کی بھول بھلوں میں یورپ پچھّم کسی طرف کی ڈور کا درانہ ملا تو ہم نے کہا ڈاکٹر صاحب اب تو ہماری بازیابی کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ کولمبو کے اخباروں میں تلاش گمشدہ کا اشتہار دیا جائے کہ اس اس حلیے کے وہ پاکستانی اس دشت ناپیدا کنار میں کھو گئے بولے بوت ٹھیک ہے لیکن یہ اشتہار دینے کے لئے ہم میں سے جائے کون اور کیسے ہم نے کہا یہ بات تو ہم نے بھی نہ سوچی تھی ناچار دن تقدیر پھر اٹکل اور عقل حیوانی سے کام لیتے ہوئے راستہ تلاشکرنا شروع کی اور پھر یہ ہوا کہ ہم ایک مانوس نشاش پر نکل آئے اور سعید سے کہا میاں جھٹ پٹ گرینڈ ہوٹل لے چل تا کہ کام یوروں کا بقدرلب و دنداں نکلے۔

یہ ہوٹل والے واقعی گرینڈ یعنی عظیم الشان ہے اور حکومت انگلیشہ کی سطوت رفتہ کی یاد دلاتا ہے جس طرح پیری ڈینیا یونیورسٹی درسگاہ سے زیادہ مری یا نتھیا گلی کا قصبہ معلوم ہوتی ہے اسی طرح گرینڈ ہوٹل بھی کسی انگریز ئیس کے دیہاتی محل کی دنیا نوریلیا کی سطح مرتفع پر پھیلا ہوا ہے یہاں ایک بلڈنگ ہے جس میں ریسپشن ہے اس سے کچھ دور دوسری جس میں طعام گاہ ہے تیسری میں استراحت فرماہیۓ بیٹھنے کا الاؤنج بھی بہت لمبا چوڑا ایوان جس کے آرام دہ صوفوں میں تا بہ کمر دھنسں جاہیۓ بہت کم لوگ ہوتے تھیسنا ہے سیاحوں کی یورش اپریل میں ہوتی ہے ایک حصے میں ریکارڈ پیئر لگا ہوا تھا اور وہی سے لق و رق ڈائنگ ہال کو راستہ جاتا تھا ہم وہا ں بیٹھتے تو تو اس بھری دنیا میں تنہا نظر آتے لہذا باہر کے برآمدے میں ایک گوشہ دریافت کیا اور وہیں نشست کی۔

بچپن میں ہمارے گوؤں میں ایک عامل ہمیں حضرات سلیمان کا دیدار کرایا کرتے تھے دیکھنے کے لئے چودہ سال سے کم عمر کی شرط تھی ناخن پر تیل لگا کر آئینہ کی طرح اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کرنے کی ہدایت کی جاتی اور پھر عامل صاحب منظرنامہ بولتے جاتے اور ہمیں فقط اثبات میں جواب دینا ہوتا تھا ان کی رننگ کومنٹری کچھ اس طرح ہوتی اب حضرت سلیمان کا جمعدار آ کر جھاڑو لگا رہا ہوگا ہم کہتے نظر نہیں آتا غور سے دیکھو گرد اڑ رہی ہوگی ہم کہتے جی ہاں اڑ رہی ہے اس کے بعد ممدوح کا سقہ آ کر چھڑکاؤ کرتا وہ بھی جمعدار کی اڑائی ہوئی گرد میں ہمیں نظر آتا لیکن ہاں کئے ہی بنتے یوں بھی چونکہ معمولی کے لئے معصوم ہونے کی شرط تھی لہذا نفی میں جواب دینا ہمارے حق میں نہ پڑتا آخو میں تخت بچھانے والے آتے کم از کم آنے چاہئیں تھے اور بعد ازاں حضرت سلیمان مع اپنے جنوں کے بصد کروتشریف لاتے سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے کبھی ہمیں اپنے دیدار کے لائق نہ سمجھا تاہم اس وقت اس کی تصدیق کرنی پڑتی اس سارے قصے کا سفرنامے سے کوئی تعلق نہیں یہاں فقط یہ بتانا مقصود ہے کہ ہوٹل گرینڈ کے بیرے اس ترتیب سے آئے ایک آیا چھری کانٹے رکھ گیا دوسرا پلیٹیں سیدھی کر گیا دست پوش لانے والا بالکل ہی نیا آدمی تھا اور کھانے کے کورس بھی یکے بعد دیگر تین مختلف آدمی لائے ظاہر ہے سویٹ ڈش اور چائے لانے والے بھی نئے نکور بیرے تھے ان صاحبو سے یکجا ملاقات کا شرف بل اور بخشیش کے وقت حاصل ہوا جس طرح ڈرامے کے خاتمے پر سبھیاداکار مل کر سلامی لیتے ہیں یاد دیتے ہیں وہی منظر یہاں تھا کولمبو کے اسٹیشن کا احوال ہم لکھ چکے کہ ہر چند ہمارے پاس دربریف کیسوں اور صبح کے اخباروں کے علاوہ کچھ نہ تھا تاہم تین قلی ہماری خدمت پر مستعد تھے اس موقع پر ہمیں کپلینگ کا مقولہ کہ مشرق و مغرب کبھی نہیں مل سکتے پھر یاد آیا یہاں کا یہ عالم کہ کسی کام کے لئے ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں وہاں آپ کو یہ منظر نظر آئے گا کہ ایک آدمی جھاڑو دے رہا پھر وہی ان پر باندھے کھانا پکاتے اور برتن دھوتے نظر آئے گئے پھر کھانا کھانے کا نفیس لباس پہنے جو شخص آپ کو میز پر بیٹھا چھری کانٹے لہراتا نظر آئے آپ غور سے دیکھیں گے تو وہی

مرد شریف نکلے گا۔

کھانے کے بعد انصاف سے سونا چاہئے تھا لیکن منزل کی فکر سر پر سوار تھی سعید میاں کار کو تھاپی دی اور دی اور وی ایک دو بار ہنسنا کر چل دی دن کے تین بجے ہوں گے لیکن وہی غباریں وہی ابر چھایا ہوا تھا رستے میں ایک جگہ توقف کیا یہاں ایک طرف کو ایک باؤلی سی تھی اور بہت سی عورتیں اس بھیس میں جو راجپوتانے کی عورتوں کا ہوتا ہے سڑک سے اتر کر ادھر جا رہی تھیں اور نمسکار کر رہی تھی کچھ دیہاتی بھی چھکڑے لئے پاس ہء براجمان تھے سعید نے کہا یہاں کی روایت کے مطابق سیتا جینے جبکہ راون صاحب ان کو اغوا کر کے لائے یہاں اشنان کرنا مشہور ہے ڈاکٹر صاحب نے کہا ایسا کیسے ہوسکتا ہے ہم نے عرض کیا کہ اس میں تعجب کی جا نہیں آخو راجہ رنجیت سنگھ کی بھئی تو کئی کئی کھوپڑیاں قدیم نوادر فروشوں کے ہاں مل جاتی ہیں کوئی بڑھاپے کی کوئی جوان کی کوئی بچپن کی اسکے علاوہ سیتا جی صرف ایک بار ایک ہی جگہ نہانے کی پابندی تھوڑا ہی تھی۔

رادن کا وجود تاریخی کم ہے اور روائتی زیادہ لنکا والوں نے بھی اس پر ریسرچ کی ہے اور ان کا رویہ یقیناً راون کے متعلق ہمدرانہ ہے وہ اس کو دس سروں والا خوفناک را کشش یا رامائن کے قصے کا ولن نہیں مانتے ان کا کہنا ہے کہ وہاں اس نام کا ایک راجہ تھا جس نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا باقی باتیں زیب داستاں کے لئے بڑھا دی گئیں

نانو نہ ایک چھوٹا سا جنکشن تھا جہاں سے کولمبو کی گاڑی ہمیں ملی سعید کو ہم نے اس کی مزد اور انعم دے کر رخصت کیا اور گاڑی میں فروکش ہوگئے یہ بھی پاکستان کے ایک دیہاتی اسٹیشن کا نقشہ پیش کرتا تھا ایک ہی بابو جانے والے مسافروں کو ٹکٹ دینے کے بعد گیٹ پر کھڑا ہوتا اور آنے والوں کے ٹکٹ وصول کرتا اب کے ہم نے ٹکٹ فسٹ کلاس کا نہیں سیکنڈ کلاس کا لیا یعنی بیس روپے کے مقابلے میں صرف ساڑھے بارہ روپے خوچ کئے لیکن یہ اس فسٹ کلاس سے کہیں بہتر تھا جس میں ہم نے جاتی بار سفر کیا تھا اب کے ہم نے ایک دو باتیں اور مشاہدہ کیں وہ یہ گاڑی کے دروازوں کے پٹ اندر کی طرف نہیں باہر کی جانب کھلتے ہیں اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی مسافر باہر گرنا چائے تا سے وقت نہ ہو دوسرے کئی کمپاٹمنٹ ایسے تھے جن پر لکھا تھا for clrrgies only یعنی درجہہ صرف پر دہتوں، پادروں یا ملاؤں کے لئے اتفاق سے ہم جس درجے میں بیٹھے اس پر بھی یہی بورڈ لگا تھا اور جب ایک بھکشو صاحب گیروا بانا پہنے اس میں داخل ہوئے تو ہم نے سوچا آب آمد تمیم برخاست پھر سوچا ہم بھی تو خود کو پاکستانی مولوی کہہ سکتے ہیں لیکن ان بھلے مانس نے کہا آپ شوق سے بیٹھے بیشک بعض مصالح سے گاڑی کے ڈبوں میں اس طرح کی تخصیص کی گئی تھی لیک یہ پرانی بات ہے اور اب اس کی کوئی پروا نہیں کرتا یہ بکشو بھی بڑی عمدہ انگریزی بولتے تھے اور روشن خیال تھے۔

تھوڑی دیر میں اندھیرا چھانے لگا اور دن بھر کی ماندگی بھی تھی اس لئے ہم سبھی صاحبوں سے معزرت کر کے ٹانگیں پسار کے سا گئے اور جھپکی لے لی لیکن ان دلکش منظروں نے پھر دامن کو کھینچا اور ہم تھوڑی دیر میں اٹھ کے بیٹھ گئے آج اس دھواں دھارا سٹیشن کے انجن کی بجائے ڈیزل کا اچھا خاصا انجن تھا لیکن چھ گھنٹے گاڑی میں بیٹھنا بھر بھی عذاب ہے ان گاڑیوں میں بلا مقصد زنجیر کھینچنے کی سزا بیس روپے جرمانہ لکھی ہے یعنی ہم جیسا غریب آدمی بھی بے ضرورت زنجیر کھینچ سکتا ہے افسوس کہ پاکستان میں طلوع آزادی کے بعد بھی ہم پرانی لکیر کو پیٹتے جا رہے ہیں اور یہاں اگر تفریح کا یہ ذریعہ اختیار کیا جائے تو پچاس روپے جرمانہ الگ اور باز پرس

الگ۔

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

بارے ہاتھی کے کچھ بیاں ہو جائے

کولمبو میں پہلے جس چیز کی زیارت ہوئی ہو ہاتھ تھےاوراس کے بعد جتنے روزہم سیلون میں رہے ہاتھی کے پاؤں رہاایک کپڑاپسندآیااس پربھی ہاتھی کی چھاپ تھی ہاتھی مارکہ سگریٹ بھی جوایک صاحب کے کہنے کے مطابق ہاتھی کی لید سے بنتا ہے جگہ جگہ نظر آیافورٹ کےعلاقے میں جہاں جہاں سے گزرے نوادر کی کی دکانوں میں جوفقط سیاحوں کی جیبیں کاٹنے کا شائستہ بہانہ ہیں ہاتھی، پیلے ہاتھی ہاتھی ہی نظر آئے چھڑی ہاتھی،سنگاردان پر ہاتھی،کالے ہاتھی، خاکستری ہاتھی،رنگ برنگے ہاتھی،ایش ٹرے پر ہاتھی،معلوم ہوا کہ سفید ہاتھی بھی بہت ہیں لیکن دفتروں میں کام کرتے ہیں آسٹن جے ورد دھنانے ارزاہ محبت ایک سگریٹ کیس خوید کر دیا اسے بدل نہیں سکتے بولےہم نے تو خاص طورپر یہ اس لئے چنا تھا کہ اس پر ہمارے قومی جانور کی تصویر ہے ہمارےشہرمیں اونٹ ناحق بدنام ہے چوپایہ پرستی دیکھنی ہو تولنکا والوں کی دیکھئے۔

ہاتھی ہمارے ہاں عام نہیں پایا جاتا سفید ہاتھی سےقطع نظراس کازیادہ تر وجود تاریخ شاعری اور محاوروں میں ملتاہے یا کہیں کہیں چڑیا گھرمیں تاریخ میں پورس کے ہاتھی مشہور ہیں یاپھر محمدشاہ کا ہاتھی جس پرنادر شاہ نے چڑھنے سے انکارکردیا تھا کہ جس جانورکی باگ اپنے ہاتھ میں نہ ہواس پر سواری غلط ہے شاعری میں استاد ذوق نے ابرسیاہ کو تشبیہ دیکہ جیسے جائے کوئی فیل مست بےزنجیر معلوم ہوتا ہے پورس کی طرح ہمارے مسلمان روسا کے زوال میں بھی کچھ دخل ہاتھیوں کا رہا ہے ہے کیونکہ سوداا پنے آشوب میں لکھتے ہیں۔

کہیں جو زعم میں آقا کے فیل خانا ہے
جوہتھنی اندھی ہے اس میں تو ہاتھی کانا ہے
نہ ٹھور چارے کا،راتب کانے ٹھکانا ہے
ہرایک بھوک سے سوئے عدم روانا ہے
اب اسکوخواہ وہ پائل سمجھ لیں خواہ منجھول

ہاتھیوں کے علاوہ اہل لنکا کا دوسرا قومی نشان ماسک سمجھئے یونی چہرے کے ناب گھروں،دفتروں،دوکانوں۔عجائب گھروں میں جابجا دیواروں پر نقاب لٹکےنظر آئیں گےاور ایک سے ایک خوفناک ویسے تو یہ عوامی آرٹ کا جزو ہیں دیہات میں ناٹک وغیرہ کرنے کے لئے تمثیلی چہرے جانوروں ،راکشوں وغیرہ کے بنائے جاتے تھے لیکن اس موجودہ زمانے میں بھی جبکہ بچوں کوڈرانے کے نئے نئے طریقے ایجاد ہوگئے ہیں لنکامیں ماسکوں ہی سے کام لیاجاتا ہے سنا ہے یورپ وغیرہ سے لوگ ان کے فن کے ان نادر نمونوں کی تعریف کرنے آتے ہیں البتہ جن لوگوں کو آرٹ کی باریکیوں سے بہرہ نہیں جیسے ہم وہ ہموری طرح لنکا سے واپس آنے کے بعد مہینوں آدھی رات کوچونک چونک کراٹھتے ہیں حتی کہ گھر والوں کو ہم سے جبری طور پر منوانی ہوتی ہے تو ہمیشہ یہی کہتے ہیں بھیجیں لنکا۔

لنکاکے باون کاشہربھی بہت سنا تھا آج کل تاریخ کو بھی عقل کی کسوٹی پررکھا جاتا ہے چنانچہ روایت میں اگر یہ ہے کہ حضرت نوح کی عمر نو سو سال تھی تو آج کا محقق یہ ثابت کرتا ہے کہ اس زمانے میں سال تیرہ چودہ دن کاہوتا تھا تا کہ حساب میں آکران کی عمر ہمارے برابر ہوجائے اور روایت پر کوئی حرف نہ آئے سو ہماری بھی یہی توجیہ ہے کہ پرانے زمانے میں سیلون میں ایک یاڈیڑھ انچ کا گز ہوتا تھا۔

سچ یہ ہے کہ باون گز بھی غلط اور باون انچ بھی غلط لنکاوالوں کا قد کاٹھ اور سراپا ہم سے مختلف

نہیں ہوتا اور بعضے تو خاصے کشیدہ قامت ہوتے ہیں اپنے دوست آسٹن جے وردھنا کا ہم ذکر کر آئے ہیں خاصے کشہدہ قامت نوجوان ہیں اور ہم عموماً ان کو امیر خسرو علیہ الرحمتہ کے اشعار کی تضمین سنایا کرتے تھے،

اے آسٹن جے وردھنا
اشتر صراحی گرونا
دانم چہ خواہی کرونا
گردن درازی می کئی
پنبہ بجو اہی خوردنا

کولمبو جانا اور ریڈیو سیلون دیکھئے بغیر واپس آنا ایسے ہی تھا جیسے دہلی جا کر قطب مینار نہ یکھا جائے ہم نے دیکھا یا آگرے کی سیر میں تاج محل کو چھوڑ دیا جائے نہیں چھوڑا پس ایک رز یہی ٹھری کہ اس عظیم ادارے کی زیارت کی جائے جس کا ہمارے گھروں میں راج ہے بوقت صبح چو مردم کاروبار رند گھر کی عورتیں چولہا چوکا جھاڑو وغیرہ چھوڑ کر سیلون کو خواج تحسین پیش کرنے کے لئے آجمع ہوتی ہیں۔

دیکھا کہ ایک معمولی عمارت ہے چاروں طرف کمرے بیچ میں احاطہ ایک پہلو میں اسٹڈیو ہیں ایک ٹرانسمیٹر ہے پچاس کلوواٹ کا ڈائریکٹر ان دنوں ایک نوجوانتھے پنڈت نامی۔ ہمارے اشتیاق پر خوش ہوئے اورخود جا کر اسٹریو دکھائے ہم نے کہا ہمیں تو اس کا وہ سیکشن دکھائے جس کے فردوس گوش مغموں کے ہم اسیر ہیں فرمایا وہ پروگرام تو زیادہ تر بمبی میں تیار ہوتے ہیں بس ریکارڈ ہو کر یہاں آتے ہیں اور ہمارا آدمی بجا دیتا ہے بہت مایوسی ہوئی انچارج ایک سردار جی ڈھلواں نامی تھے۔لیکن افسوس کہ وہ کولمبو سے باہر گئے ہوئے تھے بلکہ یاد پڑتا ہے اپنے ملک یعنی پنجاب ایک صاحب البتہ ملے سری داستور صاحب بچارے ہندی کے آدمی تھے یوپی کے کسی قصبے کے ہوں گے بڑی کاوش سے عربی فارسی کے الفاظ یاد کر کے اپنی ہندی میں ملا کر خلوص کا ثبوت دے رہے تھے ریکارڈ بجانے والی خاتون مس ڈولی تھیں اعلان بھی انہی کی سامعہ نواز آواز سے اکثر سنے جاتے ہیں ہم نے انہیں دیکھا اور دعا سلام کر کے جانا کہ محنت وصول ہوئی۔

عالم ہمہ افسانہ ما دارد ما ہیچ

ہمیں تو کراچی واپس آنا تھا ڈاکٹر اختر حسین کا پروگرام مدراس اور دہلی کا تھا لہذا ہم سے دو روز پہلے وہ رخصت ہو گئے کولمبو میں دو ہوائی اڈے ہیں ہمارا کراچی کا جہاز جس اڈے پر آتا ہے وہ بین الاقوامی ائیر پورٹ کہلاتا ہے اور غالباً ہفتے میں دو تین روز کھلتا ہے جبکہ کراچی یا رنگون وغیرہ آنے جانے والے جہاز اترتے چڑھتے ہیں زیادہ ٹریفک ہندوستان کا رہتا ہے سو اس کے لئے ایک مقامی اڈہ ہے ان کے جانے کے بعد ہم پر اداسی کا دورہ پڑنا شروع ہوا دو دن تو جوں توں گزارے آخو ایک روز گال فیس سے بی او اے سی کی بس میں بیٹھ کر ہوائی ڈے اور وطن عزیز کی راہ لی۔

ائیر پورٹ پر مسٹر مبین ہمارے منتظر تھے یہ وہاں کے ایک پبلیشر ہیں کہنے لگے ڈاکٹر اختر حسین

کو یہ پھول دار پودا بہت پسند آیا اور اسکی فرمائش تھی کہ انشا چونکہ سیدھے کراچی جا رہا ہے اس لئے اسکو اس کی کچھ جڑیں دے دینا اس میں عجیب عجیب پھول آتے ہیں جو پاکستان میں نہیں ہوتے یہ کہہ کر انہوں نے ٹاٹ میں لپٹی ہوئی کچھ ٹہنیاں حوالے کیں چند پات باہر تھے ہم نے کہا سنا ہے کراچی ائیر پورٹ پر محکمہ زراعت والے چیک کرتے ہیں کہ کوئی شخص باہر سے کوئی ایسا جراثیم آلود پودا نہ لے آئے جو یہاں آ کر پھیل جائے اور فصلوں یا درختوں کی غارت گری کا باعث ہو بولے ایسے موقع پر اسے جراثیم سے پاک کرنے کے لئے دھونی دی جاتی ہے اور بس ہم نے کہا بسر و چشم کراچی کے ہوائی اڈے پر کسٹم والوں نے کہا یہ پودے ہیں ہم نے کہا ہاں پودے ہیں بلکہ پودا ہے بولے زراعت والوں سے پوچھ لو ہم نے کہا کہاں ہیں معلوم ہوا ان کا کوئی چپراسی یا ایسا ہی کوئی اہل کار ڈیوٹی پر ہے تو لیکن وہ چائے پینے یا چھٹی کرانے گیا ہوا ہے تھوڑی دیر اس کا انتظام کرنے کے بعد ہم نے ٹیکسی لی اور راستہ ہی میں ڈاکٹر اختر کے ہاں وہ پودا دے آئے۔

ڈاکٹر اختر حسین نے ہندوستان نے واپسی پر آ کر دیکھا تو بہت ہنسے بولے یہ آپ کیا اٹھا لائے ہمنے کہا خیریت ہم تو بیسٹن کی امانت بڑی احتیاط سے لائے اور ائیر پورٹ سے بھی جہاں رکنے کا خطرہ تھا بڑی سہولت سے نکال لائے بولے میاں ان جیسے بیسٹن ویسے تم یہ تو شاخیں تھیں جڑیں اس میں تھیں ہی نہیں لگتیں کیا خاک دوسرے روز مرجھا گئیں ہم نے کہا الاعمال بالنیات یہ آپ بیسٹن سے پوچھئے کہ اس نے کیا دیا سو یوں وہ لنکا کا عجیب و غریب پھولوں والا پودا پاکستان میں لگتے لگتے رہ گیا۔

ایران

www.HallaGulla.com

دسمبر ۱۹۶۳ء

Virtual Home
for Real People

فادر کرسمس کی روانگی

ہم نے وادیِ غربت میں قدم رکھا ہے بلکہ رکھنے کے لئے کراچی ائیر پورٹ پر پہنچے ہیں تو ۲۴ نومبر

کی تاریخ تھی اور صبح چھ بجے کا ہنگام کپڑوں سے کچھ اس طرح لدے پھندے لقہ کبوتر بنے ہوئے تھے کہ اپنے پر کسی اور کا شبہ ہو رہا تھا خیال ہوتا تھا کہ لوگوں نے ہماری بجائے دھوکے میں کسی اور کو جگا دیا جمیل الدین عالی نے کہ چلتا ٹارسٹ آفس ہیں پہلے تو ہمیں وہ اونی بنیان اور وزیر جامہ پہنوایا جو وہ ماسکو اور لینن گراڈ میں پہنتے رہے تھے اس پر ایک سوئیٹر پورے بازوؤں کا پھر ایک قمض اور پھر اما بعد ایک واسکٹ وہ روئی کا غلہ بھی پہناتے پر مصر تھے لیکن ہم نے اخلاقی جرات سے کام کے کر انکار کر دیا اس پر انہی کا سائبیریا میں پہننے کا ریچھ کی کھال کا اور کوٹ زیب تن کئے ہم اچھے خاصے فادر کرسمس تو بن ہی گئے تھے ائیرپورٹ پر وہ پھر ہمارے منتظر تھے کہنے لگے یہ بدخشاں اصلی لومڑ کی کھال کے دستانے ہمورے اجداد کی نشانی ہیں یہ تمھیں دینا بھول گیا تھا۔

پھر امام ضامن باندھتے ایک کنٹوپ بھی پہنا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اندر روہداری والوں نے کئی بار پوچھا آپ پاکستانی ہیں آپ ہی کا نام ابن انشا ہے ایک صاحب نے تو جب تک کنٹوپ اتروا کر پاسپورٹ کی تصویر سے موازنہ نہ کرلیا آگے نہ جائے دیا واقعہ بھی یہی ہے کہ اس سارے گھڑاک میں ہمارا تو فقط جسم تھا باقی ہر چیز جمیل الدین عالی کا عطیہ تھی۔

ہمارے لئے ملک سے باہر نکلنے کا یہ پہلا موقع نہ تھا دور دور کے دیار جھانک آئے تھے لیکن جو تھرل جو سنئی یا جو ذوق و شوق ایران کے سفر کے وقت محسوس ہو رہا تھا عازم یورپ ہوتے وقت نہ تھا وہ اجنبی دیس تھے یہ ہماری تہذیبی جنت گمگشتہ تھی ایران جدید کے متعلق بہت کچھ پڑھ رکھا ہے اور اب جانے سے پہلے پڑھا لیکن جب بھی آنکھ بند کی سامنے وہی نقشہ آیا جو حاجی بابا اصفہانی کے مرقعوں میں ہے جس طرح بغداد الف لیلہ کی وجہہ سے عزیز ہے امریکہ اور یورپ سے ہندوستان آنے والوں کی نظریں ہوائی اڈے سے اترتے ہیسانپوں ،مداریوں، ہاتھیوں، اور راجاؤں، کی کلغیوں کو ڈھونڈنے لگتی ہیں۔

مارکوپولو اور ابن بطوطہ کا زمانہ ذرا پرانا ہے ابھی پچھلی صدی میں ہمارے مولوی محمد حسین آزاد ایران کا سفر کرتے ہیں تو منزل بہ منزل کارواں سراوؤں میں ٹھہرتے اپنے لئے خچر اور نوکر کے لئے ٹٹو کرایہ کرتے جاتے ہیں سامان سفر ایک خورجی ہے اور ایک بستر، ٹریولر چیک اس زمانے میں نہیں تھے شہروں میں جاتے تو فارسی کی نادر کتابیں بیچیۓ جو ہندوستان سے ہمراہ لے گئے تھے اور جہاں کتابوں کا قدرداں نہ ہو۔

اہل آبادی روٹیاں۔گھی۔دودھ۔انڈے۔گوشت۔مرغیاں۔قالینلاتے ہیں قافلے والے قیمت میں کپڑا سوئیاں، رانگ پیتل کی انگوٹھیاں، جگنیاں کانچ اور شیشے کے دانے دے کر خویدتے ہیں۔

انہی محمد حسین آزاد کی ایک اور کتاب میں ایک ایرانی آقا سفر کا احوال پوچھتا ہے تو پاکستانی مسافر عرض پرواز ہوتا ہے۔

لاہور سے کراچی تک ریل میں آیا برا روپے دیئے وہاں سے بوشہر تک وخانی جہاز میں تیس روپۓ اور دیئے بوشہر سے شیراز پندرہ قرآن میں جو ہمارے چھ روپے کے برابر ہے یہاں مشیر الملک کی سرائے میں ٹھرا ہوں لیکن اچھی جگہ نہیں کوڑا کرکٹ بہت ہے۔

آقائے ہوشنگ اعلم باہر انتظار کر رہے تھے انہیں وزارت فرہنگ نے ہماری پیشوائی کے لئے بھیجا ہے بہت خلیق اور متواضع آدمی نکلے چند منٹ میں گھل مل گئے اور اب ہم ٹیکسی تا کسی سے باہر طہران کا منظر دیکھنے لگے یہ دانش گاہ ہے یہ خیاباں شاہ رضا ہے لیجئے یہ میدان فردوسی آگیا پس آپ کا ہوٹل زیادہ دور نہیں لیجئے

یہ رہا ہوٹل ایران میں ٹیکسی کا کرایہ مسافت کے اعتبار سے نہیں شہر میں کہیں بھی چلے جائیں صدر سے گاندھی گارڈن کے بھی پندرہ ریال ہوں گے اور ناظم آباد سے کیماڑی کے بھی پندرہ ہی ریال ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا البتہ ہوائی اڈے سے آتے جاتے وقت ۵۰ ریال لیتے ہیں ریال کو ایک آنہ تصور فرمائیے دس ریال کا ایک تومان بنتا ہے جہاں ہم تومان کہیں آپ دس آنے سمجھ لیجئے گا نئے شہر میں ٹیکسی کے علاوہ کوئی سواری نہیں اور ضرورت بھی نہیں طہران میں تیس ہزار ٹیکسیاں ہیں اتنی تعداد فقط نیو پارک میں ہے لیکن وہاں کی آبادی کم ہے۔

طہران کا موسم قریب قریب کراچی ہی کا تھا انیس بیس کا فرق سمجھ لیجئے یعنی اچھی خاصی گرمی عام یہ تھا کہ اونی ریز جامہ اور پلان پہننے سے سارے جسم میں سوئیاں چبھ رہی تھی ہوٹل پہنچ کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ ان چیزوں کو اتار کررکھا زیر جامہ پہننے کی نوبت نہ آئی اوور کوٹ ایک روز پہنا بدخشانی لومڑ کے دستانے اسی طرح تہہ کئے رکھے رہے اب ہم پھر اپنے معمولی سوٹ میں ملبو خیالی چھڑی ٹیکتے ٹیکتے ہوشنگ کے ساتھ ٹلیتے ٹلہتے ذرا باغ چل گنگناتے شہر جدید کی سڑکوں پر نکل کھڑے ہوئے۔

مسائل خور درنوش کے

یہ خیابان ثریا ہے جس پر ہمارا ہوٹل واقع ہے سڑک تو عمدہ ہے لیکن فٹ پاتھ کی حالت کین ابتر ہیجی بات یہ ہے کے سڑکیں بنانا اور مرمت کرنا شہرداری یعنی مونسپلٹی والوں کی ذمی داری ہے اور فٹ پاتھ گھروں

اور دکانوں والوں کی خوب نالیاں بھی زیر زمین نہیں بلکہ سڑک کے دور رویہ اور یہ نبی ہیں جیسی ہمارے جالندھر ھیانے ہی ہوتی تھی نالیوں میں پانی البتہ کہیں نظر نہ آیا جانے کہاں جاتا ہے ممکن ہے عید بقر عید پر چھوڑتے ہوں ہوشنگ تو یہ سن کر حیران ہوا کہ ہم روزانہ نہاتے ہیں بولا میاں جی تم تو پانی کے کیڑے ہو میں تو جمعے جمعے حمام جاتا ہوں۔

لیجئے یہ خیابان شاہ رضا ہے بڑی لمبی سڑک ہے کیا صاف اور مجلّا دکانیں ہیں سب کے کوڑا شیشے کے اور مال تجارت سے بھرپور دکانیں بھی نور علی نور بھائی صاحب یہ تو یورپ کا نقشہ ہے جی ہاں طہران کو ایشیاء کا پیرس اسی لئے کہتے ہیں ہم نے پوچھا تم نے پیرس دیکھا ہے ہوشنگ نے کہا نہیں ہم نے عرض کیا دیکھ لیتے ہیں تو یہ بات نہ کہتے ہاں تو ہر عمارت پر دھواں اور کائی چڑھی ہے اور لندن کا وہائٹ ہاؤس دیکھو تو یوں لگتا ہے کہ کوئلے کا ڈپو ہے یہ خوبی اور صفائی تو ہالینڈ اور بیلجیم کے چھوٹے شہروں کی یاد دلاتی ہے سبزیوں کی دکان ہے لیکن آلو گوبھی تک یوں سجا کے رکھی ہے آرٹسٹ کا نگار خانہ مولوم ہوتا ہے اور قصائی بھی سفید براا پیرن باندھے کھڑا ہے اور گوشت زشیشے کے دروازے کے پیچھے سے جھما جھم جھلک رہا ہے موچی کی دکان تک صاف ستھری دھری ہے میاں جی تمہارا اطہران ہمارے کراچی سے بازی لے گیا خیابان فردوسی، خیابا نسعدی اور لالہ زار کو دیکھنے کے بعد تو ایلفنسٹن سٹریٹ وکٹوریہ اورانار کلی بالکل ہی جی سے اتر گئیں اپنے ہاں کی بلند و بالا عمارات کا رعب بھی اٹھ گیا لوگ ناحق یورپ کی تفریح کو جاتے ہیں یہاں آئیں قریب تر ملک ہے زبان بھی کچھ نہ کچھ تو پلے پڑتی ہے باقی رہے نائٹ کلب سو یہاں بھی ہیں اور سنا ہے ایک سے ایک بڑھ کر مسافر نواز ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتی تھیٹر بھی ہیں اور سینما بھی یہی دیکھئے سامنے کیا ومدہ ہے کونسی تصویر لگی ہے آوارہ راج کپور نرگس، حضرت ادھر بھی ایک نظر تاج محل بنیارائے اور پردیپ کمار آوارہ چھ سینماؤں میں چل رہی ہے اور چودھویں کھڑکی کی توڑ ہفتہ ہے تاج محل تو شاندار ریکارڈ توڑ ہے اور مکالمے ڈب کرتے ہیں (دوبلہ کا مطلب ہے ڈب) گانے اصل زبان میں رہتے ہیں۔

کہا دور کیوں جاتے ہو یہ سامنے سالن کی دکان ہے روٹی بھی ضرور دیتے ہوں گے یہ اچھی بات نہیں تو ادھر بھی سالن کا بورڈ لگا ہے بولے یہ کھانے کی دکانیں تھوڑا ہی ہیں۔

پھر کیا ہے۔

یہاں عورتوں کے بال بناتے ہیں اور ادھر درزی بیٹھتا ہے۔

پھر سالن کیوں لکھا ہے۔

ہنس کر بولے یہ اصل میں سیلون ہے درزی، نائی، دھوبی سبھی کی دکانیں سالن ہیں ایلو یہ ریستوران بھی آ گیا چیلو کباب کا نام سنا ہے۔ یہاں کی سب سے بڑی مشہور ڈش ہے جی خوش ہو جائے گا۔

آقائے ابن انشا چیلو کباب کے متعلق پڑھ پڑھ کر اس کے غائبانہ عاشق ہو چکے تھے بیرے نے لا کر ایک پیالی رکھی جس میں چار انڈے کچے پھوٹے ہوئے رکھے تھے۔

اچھا تو یہ ہے چیلو ہم نے نعرہ لگایا۔

بولے نہیں یہ انڈے ہیں۔

اب بیرا ایک بوتل لایا جس میں کچھ سفید سا عرق تھا۔

تو پھر یہ ہو گا چیلو،

بولے نہیں یہ تو دوغ ہے لسی۔ کس نہ کہ دوغ من ترش است اب کچی پیاز آ گئی چیلو کا ج ہماری زبان تک آیا لیکن ہم چبا گئے پھر ایک ڈش چاول کی آئی اب کے ہم چپ رہے پھر موٹے مسٹنڈے کبابوں کا ایک طباق ہم نے ہوشنگ سے کہا بھائی صاحب ہم بڑا گوشت نہیں کھاتے کم از کم اتنا بڑا نہیں کھاتے اور چاول کھانے سے ہمیں قبض ہوتی ہے سیدھی سیدھی کوئی روٹی منگواؤ اور سالن بھی ہوگا سالن سے ہمارا مطلب نائی کی دکان نہیں بلکہ پکا ہوا گوشت، سبزی وغیرہ ہے،

بولے کیا کھاؤ گے

ہم نے کہا ماش کی دال ہوگی؟

بولے وہ کیا ہوتی ہے؟

اس وقت اس شئے لطیف کا انگریزی ترجمہ ذہن میں آیا نہ فارسی۔ لہذا ہم نے کہا ایک طرح کی سبزی ہوتی ہے نیز آج تمہاری خاطر سے چیلو کباب ہی سہی بولے ایک انڈہ ابھی اسمیں ملاؤ پھر دیکھو مزا۔

شام کو جو تنہا ٹہلنے نکلے تو خیابان ثریا سے نکل کر خیابان تخت جمشید پر آئے وہ ختم ہوئی تو ہمارے نقشے کے مطابق شمیران جانے والی سڑک تھی وہاں سے دہنے ہاتھ مڑ کر پھر خیابانشاہ رضا پر پہنچے ایک طرف چھوٹی سی کبابی کی دکان تھی جامع مسجد کے جانی کباب کی نہیں لنگی اور پھینٹا باندھے بیٹھا ہو بلکہ یورپ کے کبابی کی کوٹ پتلون ڈانٹے کھڑا تھا اور گیس کے الاؤ پر کیے بنا رہو تھا کچھ کھانے کی تو حاجت نہ تھی دوپہر چیلو کبابجو کھائے تھے۔

ہم نے کہا آقا کوکا کولا بیا دید۔

یکتا؟

یک عدد۔

پھر بولے یکتا۔

بلے بلے ہم نے رفع شر کے لئے کہا،

قصہ یہ ہے کہ آپ کو چار سیب اور پانچ انار چاہئیں تو چار سیب یا پنج انار کہنا کافی نہیں نہ عدد سے گام چلے گا کہئے چار تا سیب اور پنج تا انار جیسے ہمارے بعض علاقوں میں کہتے ہیں وہ ٹھو کیلا تو لاؤ لیکن ہم تو وہاں جتنے روز ہے دوغ پیتے رہے پنجاب کے دیہات کی قدرے ترش اور نمکین لسی کا لطف آتا تھا یہ بوتلوں میں بند ملتی ہے کھانے کے بعد ہمیشہ ہم نے خربوزے کی فرمائش کی ہمارا سردا ان کا خوبوزہ ہوتا ہے لیکن ایرانی خوبوزے کی لطافت خستگی اور شیرنہی کے کیا کہنے ہم دیہاتوں کی زبان میں باکل گڑ تھا گڑ۔

خیر کوکا کولا کی چسکی لگاتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ کبابی نے ایک گاہک کے آگے کباب لا کر رکھا کوئی صیڑھ فٹ کا ہوگا اس کے بعد اس کو لپیٹنے کے لئے ایک تہ بہ تہ کاغذ چھدرارا سا ملگجا کاغذ گاہک نے اسے لپیٹا اور کیا دیکھتے ہیں جیب میں رکھنے کے بجائے منہ سے زور کا ایک مچا کاٹ لیا تو پھر کاغذ نہیں ہوسکتا ہم نے کہا دوکاندار سے میاں ذرا دکھاؤ نا کیا چیز ہے معلوم ہوا امیدے کی کاغذ کے برابر باریک تہوں والی روٹی ہے بولے لاؤں ہم نے کہا نہیں مہربانی حمت شما زیاد سایہ شما مستدام۔

خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے ہمیں بھی بعد تلاش بسیار روٹی علی ہم نے کہا این نان می خوانیم ا نجا کو اونجا بولیں گے خانہ کو خونہ ہت تمہارا خونہ خواب آسمان ن کو گٹ کر رکھ دیا ہے آسمون بولتے ہیں بچارے کی ساری شان یعنی شون مٹی میں مل جاتی ہے بابا ہمیں یہ زبون یعنی زبان نہیں آئے گی خیر یہ روٹی کے پارچے تھے اب ہم نے کہا کہ پوری روٹھی دکھائیے بولے اس کے لئے نانبائی کے ہاں جائیے ہمارے ہاں تو ٹکڑے

آتے ہیں ہم نے درخواست کی کہ اچھا ذرا گرم ٹکڑے لاہئے بولے گرم چہ معنی دار ٹھنڈی ہے لیکن تازہ ہے ابھی کل شام ہی تو آئی ہے۔

موزہ مردم شناسی سے آتے ہیں ایک کوچے میں دیکھا کہ ایک کیل سے کوئی لمبی سی چیز لٹک رہی ہے بظاہر نان معلوم ہوتا تھا بھی نان لیکن کوئی ڈھائی تین گز لمبا یہ محض اشتیار کے طور پر تھا اندر دیکھا کہ بروضع قطع کی روٹیاں ہیں کوئی توے کے برابر ہے کوئی پرات کے برابر دیوار میں جابجا کھونٹیاں لگی ہیں اور ان سے لٹکی ہوئی ہیں جیسے ہمارے ہاں ٹوکریاں اور چنگیریاں دکانوں پر ایک صاحب نے ایک دوفٹ قطر کی روٹی لی اور اسے بغیر کسی چیز میں لپیٹے سائیکل کے کیریر پر رکھ یہ جا وہ جا ہم نے ہوشنگ سے کہا ہم تو تازہ روٹی کھاتے ہیں ہم بھی بالعلوم یہ روٹی ہفتہ بھر بلکہ تین چار روز سے زیادہ نہیں رکھتے ہاں بعض لوگ غریب رب ایک بار خوید لیتے ہیں مہینہ بھر کھاتے ہیں تمہارے کیا اسی روز کی پکی روٹی کھاتے ہی؟

معلوم ہوا آب وہوا خشک ہے اور سرد چیز خواب نہیں ہوتی ہوشنگ چند روز ہوئے پاکستان آئے تو ہوٹل فاروق کے نان سے ہاتھ جلا بیٹھے بولے ہاں تم واقعی گرم روٹی کھاتے ہو لیکن کیوں؟

ہم ایران سے جلد کیوں لوٹے

فارسی میں انڈے کو کیا کہتے ہیں؟ بضہ ؟

جی نہیں تخم، تخم مرغ۔ ہاف بوائلڈ کو نیم رد کہتے ہیں یہ ہمیں معلوم تھا۔ اس لئے ہم نے ٹھسے سے پہلے ہی روز پیش خدمات سے کہہ دیا تخم مرغ نیم رواس کے بعد فرائی اور آملیٹ کو بھی جی بہت چاہا لیکن طوعا وکرہا جتنے دن رہے ہاف بوائلڈ ہی کھاتے رہے کیونکہ انڈے کی دوسری صورتیں آرڈر کرتے کے ہماری فارسی کافی نہیں تھی۔

وہاں خشک قوت میوے والوں کے ہاں ملتے ہیں بہت میٹھے اور مزے کے ہوتے ہیں بس جا کر یہ کہ دیتے ہیں بقدر پنج ریال بدہید بقدر کوہ نہیں سمجھا کیونکہ پرانی فارسی ہے ہاں پنج ریال کا لفظ اور انکی کا اشارہ کافی ہوتا ہے ایک روز کوئی نمکین چیز چاہتے تھی نمکین بھی کہا نمک آلود بھی کہا کام نہ بنا پتہ چلا کہ شور کہنا چاہئے تھا۔

طہران میں گاڑیاں سڑک کے داہنے ہاتھ چلتی ہیں اور ہمارے ہوٹل کے کمرے میں بجلی کھٹکا وپر اٹھانے سے جلتی ہے اور دبانے پر بجھتی ہے سڑکیں خیابان کہلاتی ہیں اور گھر منزل ہمارے ہاں کی منزل طبقہ کہلاتی ہے اور میدان کا مطلب ہے چوک اور دے کو سازمان کہتے ہی اور دفتر کو آفس ادارہ آپ ایران میں دفتر کا لفظ بولیں گے تو عموماً اس کا مطلب کاپی ہوگا سو صفحے کی کاپی دو سو صفحے کی کاپی عمارت یہاں کی اصطلاح میں ساختمان ہے اور تعمیر کرنے کا مطلب تعمیر کرنا نہیں مرمت کرنا ہے آپ جوتا تعمیر کرائیے یا کپڑا رضا شاہ کبیر کے عہد میں فرہنگتان ایران کے نام سے ایک خاص ادارہ کو فارسی کو خالص بنانے (یعنی عربی کے الفاظ نکالنے) کے لئے قائم ہوا اس نے کلچر اور تعلیمات کو فرہنگ بنایا اور مثلث کو سہ گوشہ ،طبہ، پرشکی کہلائی اور دارالشفاء بیمارستان بنا پرائمری اسکول و بستان کے نام سے موسوم ہوئے اور سیکینڈری اسکول بیرو بستان کہلائے یونیورسٹی جامعہ کی بجائے دانشگاہ کہلائی اور طالبعلم نے دانشجو کا چوغہ بدلا آثار قدیم ویاں باستاں شناسی ہے بلکہ ہر علم شناسی ہے۔

یہ تو ہوئی قدرتی بات لیکن جہاں فارسی الفاظ تھے وہاں عربی الفاظ رکھنے کی علیت سمجھ میں نہیں آتی ناشتہ کو ناشتہ نہ سہی چاشت کہہ لیتے وہ صبحانہ بن گیا ہے اور دوپہر کا کھانا نہار ہم نے بیرے سے کہا بل لاؤ دستخط کر دیں کچھ نہ سمجھا آخو میں کھا کے دستخط متروک ہے امضار کرنا کہنا چاہئے دلچپ کو وہاں جالب کہیں گے۔۔۔۔۔۔اور ٹرین ترن، موٹر کار کو ماشین کہتے ہیں اور فرنیچر کو کومبل (جو فرانس لفظ ہے) اب تو شکریہ کے لئے بھی خیلے ممنونم و متشکر کا رواج اٹھتا جا رہا ہے مرد متمکن ہو یا موٹر ڈرائیور فرانسیوں کی طرح مرسی کہ کے الگ ہو جاتا ہے۔

وصل کے صبح پہلوئے بت سے
اٹھ گئے یار تھینک یو کہ کر

دو گھنٹے حبس بیجا میں

کھانا کھایا تو اب قیلولہ بھی ضرور ہوگا قیلولہ ایران کا قومی شغل ہے امیر غریب سب کھانے کے بعد سوتے ہیں زیادہ تر دکانیں ایک بجے سے چار بجے سہ پہر تک بند رہتی ہیں اور بعض دفتروں میں کام ایک بجے دوپہر شروع ہوتا ہے اور پھر چھ بجے شام سے آٹھ نو بجے تک بیٹھتے ہیں ہوشنگ سے ہم نے کہا اچھا میاں اب تم بھی آرام کرو کل صبح وزارت تعلیم میں آقائے اردلان سے ملنا ہے تم اپنے گھر سے ہوٹل آجاؤ تو اچھا ہے ان سے نو بجے ملنے کا وقت مقرر ہے ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔

بولے تمہارے ہاں کوئی نو کہے تو اس کا مطلب نو بجے ہی ہوتا ہے ہم نے کہا نہیں خیر یہ بات نہیں ہماور پرانی روایت تو پابندی وقت نہیں آزادی وقت ہے لیکن تمہارے ہاں یورپ کا اثر زیادہ ہے۔

بولے بے شک ہم داڑھی منڈواتے ہیں اور مغربی لباس پہنتے ہیں اور دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں لیکن بعض قومی روایات کو ہم نے قائم رکھا ہے ان میں یہ آزادی وقت کی خصوصیت بھی ہے آقائے اردلان کی تو اور بات ہے معتدل طبیعت کے آدمی ہیں ورنہ اس کا بھی امکان ہے کہ آپ نو بجے کا کہہ کر واقعی نو بجے پہنچ جائیں اور میزبان کو تکلیف ہو اور وہ اپنے جی میں خفا ہو جائے ویسے اس کی نوبت اس لئے کم آتی ہے کہ نو بجے آپ جائیں تو اسے پائیں گے ہی نہیں سو میں کل نو بجے انشااللہ تمہارے ہوٹل آجاؤں گا و یہاں سوا نو ساڑھے نو بجے پہنچے میں مضائقہ نہیں۔

اسی اصول کے تحت وہ خود ہمارے ہوٹل ساڑھے نو بجے پہنچے اور جب ہم آقائے اردلان کے دفتر تو دس بج رہے تھے چپراسی نے اہلاً وسہلاً ہماری بلائیں لے کر کہا جی بس آیا ہی چاہتے ہیں وہ دیکھتے ہیں وہ دیکھئے انہی کی کار معلوم ہوتی ہے بفرمائید بفرمائید۔

ہوٹل پہنچے تو آقائے پیش خدمت نے ہاتھوں ہاتھ لیا یاد رہے کہ ایران میں کسی کو کام یا پیشے کی بناء پر ذلیل نہیں سمجھا جاتا ڈرائیور ہو یا بیرا گداگر ہو یا جاروب کش اسے آقا کہہ کر خطاب کریں گے آقائے رانندہ اگلی سڑک پر اتار دیجئے خیلے تچکر ہستم آقائے پیچ خدمت ایک چائے لا دیجئے مرحمت شماز یاد آقا جاروب کش قربانت شوم ذرا میں گزر لوں پھر جھاڑو دیجئے گا گداگر کے بارے میں ہمارا ذوق تجربہ نہیں لیکن یقین ہے اسے بھی پیسہ دے کر یہی کہتے ہوں گے آقائے گداگر یہ حقیر چوبی قبول فرمائے خدا آپ کو ترقی درجات عطا فرمائے بندہ آپ ک خادم ہے۔

پانچ بجے اٹھے چائے پی بارے چائے کا کچھ بیان ہو جائے آپ کسی دفتر میں جائیں یا دکان میں فوراً ایک آدمی سینی میں چائے کی چھوٹی چھوٹی گلاسیاں اور پیالے میں شکر، بالعموم شکر کے کیوب لے کر آپ کے پاس پہنچے بفرمائید بفرمائید دودھ وہاں نہیں ڈالتے ہم نے معلوم کیا عموماً ایسا چھوٹا گلاس ہمارے تین کپ چوتھائی سمجھئے ایک ریال یعنی یک آنے میں دیتے ہیں یہ ایک طرح سے قومی مشروب بن گیا چائے اچھی ہوتی ہے ہمارے یہاں کی طرح کاڑھا یا جوشاندہ نہیں بناتے لیکن ہوٹل میں ذرا زیادہ قرینہ ہوتا ہے دو چائے دانیاں آتی ہیں اصل میں چائے دنی ایک ہی ہوتی ہے دوسری پانی دانی کہئے کیونکہ اسمیں خالی گرم پانی رہتا ہے اگر آپ چائے کا رنگ ہلکا کرنا چاہتے ہیں تو اسمیں تھوڑا پانی ملا لیجئے ہم ہلکی چائے پسند کرتے ہیں ہمیں تو یہ طریقہ پسند آیا ایک آدھا دودھ مانگا فوراً مہیا کیا گیا لیکن سچ ہی ہے کہ جو مزا بلا دودھ پینے میں آیا لہذا پھر ہم نے بھی دودھ کنارا کیا۔

اب کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ خوب بن ٹھن کر ہم نے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لئے چابی لگائی تو وہ پوری گھوم کے نہیں دی دوسری طرف گھمائی وہ بھی بیکار زور لگایا ناکام بلکہ چابی کے ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہوا سوچا پھر

زور لگایا پھر سوچا وہی نتیجہ ہونہ ویا جاتے ہوئے باہر سے بند کر گیا خدا جانے کیسادروازہ ہے عقبی کھڑکی میں سے باہر کار یکارڈ میں نکلنا چاہئے لیکن کھڑکی میں جالی تھی روشن دان کوئی نہ تھا دروازے کے کسی طرف کسی قسم کی جھری نہ تھی جس سے پہلے اپنی چابی باہر کسی کو دے کر کہ سکتے کہ باہر سے کھولو۔

شکر خدا کا کہ ٹیلی فون کمرے مین موجود تھا ہم نے کونٹر پر فون کیا کہ ہم ۱۸ نمبر کمرے میں بند ہو گئے ہیں آپ کا بیرا یعنی آقائے پیش خدمت غالبا اسے باہر سے بند کر گیا ہے یا پھر اس تالے میں کوئی اینچ بینچ ہے اللہ مدد کیجئے ہمیں ایک جگہ پہنچانا آپ کے پاس ڈپلیکیٹ چابی تو ہوگی۔

ایک ترکیب بنا کر بولے اس طرح کیجئے۔

ہم نے کہا اس طرح کر لیا۔

بولے یوں گھمایئے۔

عرض کیا یوں بھی گھما دیکھا۔

بولے پھر تو انتظار کرنا ہوگا کیونکہ جس آدمی کے پاس چابیاں رہتی ہیں وہ کل کے لئے گوشت لینے گیا ہے۔

کب آئے گا؟

کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں آجانا چاہئے اور کوئی خدمت ہو تو حاضر ہیں اتنے میں کہ بیرا گوشت لے آئے آپ ایک قصہ سننے کہ لندن میں بھی پہلے روز ہمارے ساتھ ایسی ہی واردت ہو چکی ہے۔

ہم کوئینز گارڈن میں جو ہائیڈ پارک کے سامنے کوئنزوے کے پاس ہے پچاس نمبر کے مکان میں فروشی ہوئے ہم کا مطلب ہے کہ یہ گہنگار اور بنگالی شاعر ابوالحسنین دن تو گذرات کو سونے کے لئے تو ابوالحسنین نے کہا ذرا ٹھیک سے دروازہ بند کر لینا لندن میں چور اچکے بہت ہیں بیشک چورا چکوں کا ڈر تھا کیو نکہ ہمارے سوٹ کیسوں میں کئی کئی قمض، پاجامے، کتابیں۔ رسالے شیو کا سامان، بٹن ٹانکنے کا سوئی دھاگہ، غیر مطبوعہ کلام غرضیکہ خاصی قیمتی اشیا تھیں ہم نے تالا لگانا چاہا تو دیکھا کہ اندر چابی کا سوراخ ہی نہیں ہے۔

ہم نے کہا ابوالحسین چابی کہاں لگائیں۔

بولے چابی کے سوراخ ہیں۔

عرض کیا وہ کہاں ہے ذرا دیکھ کے تو بتاؤ۔

بولے آندھیوں کو بھی نظر آتا ہے۔

سوراخ ان کو بھی مہ ملتا نہ ملا۔ ہم نے کہا اچھا ہم باہر سے جا کر تالا لگاتے ہیں۔

بولے پھر اندر کیسے آؤ گے۔

ہم نے کہا یہ پھر سوچیں گے سب کام ایک ساتھ نہیں کرتے ہم نے کہا باہر جا کر چابی گھمائی اور کھٹ سے تالا کھل گیا پکار کر ابوالحسین سے کہا اب ذرا اسے کھول کے دیکھو۔

اس نے ہینڈل گھمایا۔ دروازہ پھر کھل گیا۔

اب ہم چکنم میں پڑ گے لینڈ لیڈی سے کہیں گے تو پوچھے گی تمہارے پاس کون سے ہیرے جواہر ہیں جو ہم برطونوی کی فیتوں پر شک کرتے ہیں خیر یوں ہی لیٹ گئے تھوڑی دیر ہوئی ذرا کھٹکا ہوا ہم نے جان ہتھیلی پر رکھ کر دروازہ کھولا کوئی نہ تھا پھر سرسراہٹ ہوئی اب کے بھی دیکھا تو باہر کار یکارڈ خامی تھی سونا چاہا تو فکر سے نیند نہ آئی آخو ایک کرسی کو بھڑا کر دروازے کے ساتھ رکھا اسپر اپنا سوٹ کیس اس پر ابوالحسین کا سوٹ کیس اسپر کمرے میں جو بھی بھاری چیز نظر آئی حتی کہ پانی پینے کا مگگ، صابون، اور اپنا بلیڈوں کا پیکٹ بھی رکھ دیا تب کچھ اطمینان ہوا۔

یہ ہمارا اس قسم کے تالوں سے پہلا تعارف تھا جو دروازے بھیڑنے سے خود بخود بند ہو جاتے ہیں اور پھر باہر سے چابی کے بغیر نہیں کھول سکتے ہاں اندر سے آپ انہیں بلا چابی محض ہینڈل گھما کر کھول سکتے ہیں۔

خیر آدھا گھنٹہ گزرا پون گھنٹہ ہو گیا کونٹر سے معلوم کیا کہ پتہ چلا گوشت لینے والے صاحب بھی نہیں آئے شاید دوسری مارکیٹ چلے گئے جو شہر سے باہر ہے آکعو دروازے میں باہر کنجی گھومی اور ہم آزاد ہو گئے۔

ہم نے کہا آقا۔ کیا خرابی تھی۔

بولے یہاں گوشت خواب ملتا ہے اسلئے شمران چلا گیا تھا۔

ہم نے کہا گوشت کی نہیں پوچھتے تالے کی پوچھ رہے ہو۔

بولے تالا تو ٹھیک ہے یہ لو انہوں نے کھولا بند کیا کھولا بند کیا۔

بولے بس چابی گھماتے وقت ایک ہاتھ سے کوڑا کو ذرا دھکیلے رکھو۔

ہم نے ناراض ہو کر کہا یہ بات جناب آقا ہمیں پہلے بتانی چاہئے تھی۔ ہم نو وادر غریب الوطن یہ بھید کیا جانیں۔

آقائے ابن انشا خویداری کو نکلے

طہران روانہ ہونے سے پہلے ہم نے سوچا کہ کسی ایرانی سے پوچھنا چاہئے کہ ایران مہنگا ہے یا سستا یہیں نیچے کیفے سامان کے ایرانی سے پوچھا کہئے آقا طہران سستا ہے یا مہنگا۔

بولے مہنگائی بھی ہے اور سستا بھی۔

کیا مطلب آقا؟

مطلب یہ کہ اگر منہ مانگے دام دو تو سخت مہنگا ہوں تول بھاؤ تاؤ کرو تو سستا انہوں نے مشورہ دیا کہ اگر کوئی دکاندار دس روپے کہے تو پانچ سے شروع کرنا اور سات میں لے لینا وہاں جا کر ہمیں معلوم ہوا کہ آخوی ایرانی تھے ایرانیوں کی پچ کر گئے اصل میں تین سے شروع کرکے پانچ پر ختم کرنا چاہئے تھا بلکہ حاجی بابا اصفاہائی نے جب طہران کی جونا مارکیٹ سے کپڑے خویدے ہیں تو دو کاندار نے چوبیس تومان کا حساب جوڑا تھا لیکن حاجی صاحب نے پانچ تومان بولی لگائی اور چھ پر تصفیہ ہو گیا تھا۔

ٹیکسی کا ہم عرض کر چکے کہ شہر میں کہیں شلے چاہئے پندرہ ریال سرکاری طور پر مقرر ہے لیکن ہوشنگ نے ایک روز کہا دیکھو اگر نزدیک جانا ہوا کرے تو دس ریال پانچ ریال میں بھی معاملہ ہوسکتا ہے اس کے بعد ہم معاملہ کرنے لگے اور ٹیکسی ڈرائیور نے ایک بار بھی تو انکار نہیں کیا کتابیں بھی ہم چھپی ہوئی قیمت پر خویدتے رہے بہت بعد میں پتہ چلا کہ یہ بھی ہماری غلطی تھی ایران میں کوئی چیز خویدنی ہو تو کہیں گے چنس است یعنی کتنے کی ہے اپنی فارسی چلانے کی کوشش نہ کیجئے کہ قیمتش چیست ،بہاش چہ قدر ہست وغیرہ وغیرہ یہ کچھ نہیں چلے گا پھر دوکاندار جو بتایئے اس کا جذر نکال کر اسے جواب دیجئے وہ کہے گا نمی باشد یعنی ہر گز ہر گز نہیں اور چیز بظاہر سمیٹی شروع کردے گا چلتے چلتے کہیئے کہ آخو بچندمی فروشی یعنی میاں دینے والی بات کرو ہم سے انیچ بینیچ نہیں چلے گا آخووہ بجان شما کہہ کردے دے گا۔

فروش گاہ فردوسی یہاں کا مشہور ڈپاٹمنٹل اسٹور ہے چار منزلیں انواع اقسام کے مال اسباب سے پپھر ہیں باہر کا مال بھی ہے لیکن زیادہ تر ایران کا اچھے سے اچھا لندن کے سلفریج کے انداز پر نیچے کے طبقے یعنی زیرزمین منزل میں کھانے ریندھنے کے برتن ،اور بھاری سامان ہے اوپر کپڑے ،سنگھار کا سامان روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں ،گھڑیاں ،ریڈیو ،ریڈیمیڈ سوٹ ،کھلونے ،مٹھائیاں زیورات وغیرہ سب سے اوپر کی منزل پر فرنیچر ہے صوفہ سیٹ چھپر کھٹ اور ایران کی فنکارنہ مصنوعات بھی ساتھ ہی ریستوران ہے آپ اسٹال سے چیز لیجئے وہیں ایک خاتون کیچ میمو دے گی جی ہاں زیادہ تر بلکہ تمام مترخواتین ہی ہیں اور یہ کام عورتوں ہی کے کرنے کے ہیں لیکن ایک فرق یورپ کے اور ایران کے ڈیپاٹمنل اسٹور میں دیکھا کہ وہاں کوئی کسی چیز کی سفارش نہیں کرتا آپ کو جو لینا ہے خود پسند کیجئے یہاں یہ ہوا کہ ایک چیز خریدنے تو خاتون محترم دو چیزیں اور لا کے رکھے گی صاحب یہ بڑی عمدہ چیز ہے یہ ضرور لیجئے جی خوش ہوا کہ کچھ تو مشرقیت باقی ہے ہم نرے کوسٹان ہو کر نہیں رہ گئے یوں نام کے فرشگاہیں اور سپر مارکیٹ طہران میں اور بھی ہیں لیکن اصل یہی فروشگاہ فردوسی ہے جو خیابان فردوسی پر بانک علی ایران کے صدر دفتر کے پاس واقع ہے چیزیں دیکھ کر خوش ہوا لیکن سچ یہ ہے کہ خریداری میں مزہ نہیں آیا کیونکہ یہاں دام کم نہیں کرتے جو لکھا ہے وہی لیتے ہیں اس شکایت پر ہوشنگ نے کہا پھر تم یہاں کیوں آئے بازار بزرگ جاؤ وہاں تمہارے لوگوں کے لوگ ملیں گے۔

یہ بازار بزرگ ہے یہاں کا مشہور روائتی بازار چھتے ہوئے تنگ راستے ،ہر دو طرف بھری پری دکانیں سو گز جایئے تو ایک شاخ دہنے ہاتھ پر مڑ جائے گی ایک بائیں ہاتھ اس پر مزید کراسنگ آئیں گے اور مزید چوشاخے نکلیں گے یہ چینی کے برتنوں والے ہیں چھتوں تک چینی اور شیشے کے ظروف اٹے ہیں لیکن مال باہر کا ہے ادھر منقش برتن اور کپڑے بکتے ہیں ادھر پنساری ادھر چمڑے کے سوٹ کیسوں والے یہ جوتوں کا بازا

رہے یہ قالینوں کی گلی ہے پورا الف لیلہ کا نقشہ ہے اور جوڑیا بازار کی سی ہما ہتی ہے کہ ریڑھے پر سامان لدا آرہا ہے اور پیدل کے گزرنے کی گنجائش بھی نہیں غور سے دیکھنے پر یہاں کے تاجران گرام دہلہ کے پنجابی سوداگر معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک بات یاد رہے یہاں داڑھی کوئی نہیں رکھتا سب صفاچٹ ہیں اور مغربی لباس کے علاوہ کوئی لباس نہیں سارے طہران میں داڑھیوں اور لبادوں والے کے علاوہ تین چار ہی نظر آئیں گے وہ بھی درگہ شاہ عبد العظیم ہیں۔

بازار بزرگ کی بھول بھلیاں ایسی تھیں کہ ہوشنگ کو جو طہران کی پیدائش ہے کئی بازار راستہ پوچھنا پڑا سب گلیاں ایک سی ہیں اور پیچ در پیچ گرہیں لگی ہوئی ہیں آخو جو ہم ایک گلی سے مڑے تو ایک صحتہ مسجد میں نکلے۔

یہ کیا ہے؟

معلوم ہوا کہ یہاں کی مشہور مسجد شاہ ہے لیکن لوگ چھابڑیاں لئے جوتے پھٹکارتے صحن کے ادھر سے آتے ہیں ادھر نکل جاتے ہیں صحن کے وسط میں حوض تھا جو یہاں ہر مسجد میں ہوتا ہے چار طرف حجرے جواب بند ہیں استعمال میں نہیں آتے ایران کی مسجدوں کی وضع ہماری مسجدوں سے مختلف ہوتی ہے لوگ نمز پڑھتے ہیں ایک طرف کو لکی سی میں سباق صحن میں جس کا جی چاہئے آئے جائے۔

چند دن میں ہم بھاؤ تاؤ مول تول میں ایسے مشاق ہو گئے کہ دوکندار ہم سے خوف کھانے لگے اور جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ دس کہتے ہیں ہم ایک کہتے تو اکثر دوکاندار ہماری شکل دیکھتے ہیں یا تو دکان بند کرنے لگتے یا عقبی درواز ے سے فرار ہو جاتے کہ بچو پاکستانی آقا خویداری کرنے آیا ہے البتہ لالا زار کے ایک دکاندار سے ہم نے جو خویداری کی اس کے متعلق طے نہیں کو نفع میں رہا کس نے گھاٹا کھایا۔

لالہ زار طہران کی انفلسٹن اسٹریٹ ہے سبھی طرح کی دکانیں ہیں لیکن کپڑوں کی زیادہ بزاز بھی ہیں سوٹ خویدنے اور بوانے کا نہ وقت تھا نہ پیسے ہم کھڑکیوں میں سیر دیکھتے بورڈ پڑھتے گزرتے تھیکہ ایک صاحب نے فوراً آداب سلام کرکے اپنی چھوٹی سی کنیا میں آنے کی دعوت دی دعوت کیا دی گھسیٹ لیا کچھ ٹائم پیس تھے کچھ ٹائیاں تھیں کچھ موزے بنیان وغیرہ۔آپ نے الف لیلہ میں ببک حجام کا حال پڑھا ہوگا جس کی زبان ہی تالو سے نہیں لگتی اور چلتی رقم ایسا جیسے ہر عضو میں کمانیاں لگی ہوں یہ شخص بھی نان اسٹاپ بولتا ہے ہم نے تھوڑی دیر تو بات سمجھنے کی کوشش کی لیکن آخو کان لپیٹ لئے بھی لپیٹتے تو اتنی فارسی آدھ گھنٹے میں بول گیا جتنی ہم نے ساری عمر میں نہیں سنی گفتگو میں کہیں کہیں کوئی لفظ سمجھ میں آتا تھا لہذا وہ کچھ کہتا تھا ہم کچھ نہ وہ ہماری سن رہا تھا ہم اسکی بات سمجھ سکتے تھے گفتگو کا انداز کچھ یوں تھا (جو لفظ سمجھ میں آئے لکھ دیئے باقی جگہ لکیر ڈال دی)

وہ آقا بفرمئید ------------ بہ ایران ------ خیلے ------ شما ----------

قربانت شوم ---- خواہش می کنم خواہش می کنم ------------ باشد

ہم نے ایک ٹائی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

ایں ٹائی چند است۔

فرمایا آں کراویت ٹائی کے لئے یہ لفظ فرنچ سے آیا ہے،،،،،،،،،،،،،،،،

است۔

آقا چند ہم نے کان ان کے بزدیک لے جاکر پوچھا یعنی کیا فرمایا آپ نے۔

بولے شونزہ شونزہ۔
ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا ہم نے ان کو قلم دے کر کہا این جا بنویسید تب سمجھ میں آیا کہ سولہ تومان کی بات ہے شانزہ کو شانزہ ہمیں خود ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔
ہم نے کہا نہ آقا پنج تومان۔
پھر اس نے کچھ کہاں جس میں سے دروازے لا لفظ سمجھ میں نہ آیا گویا بارہ تومان پر اترے۔
نہ آغا شش اتنے میں ہماری نظر ایک اور ٹائی پر پڑی اس کا انہوں نے پرنزہ یعنی پانزہ یعنی پندرہ بتایا ہم نے تو فقط پوچھا اس نے اتار کر دونوں ٹائیاں کاغذ میں باندھنی شروع کی ہم نے کہا برائے ہر دروازہ تومانیش نمی دہم یعنی دونوں دس مان میں دیتے ہو تو دو ورنہ چھٹی۔
بولے بست تومان
یعنی بیس پر آئے۔
قصہ مختصر ہے وہ چودہ پر تومان اترے ہم تیرہ پر مان تو آئے۔
اب ہم نے ایک نوٹ دس کا مان کا دیا ایک دو کا اور ایک ایک کا یاد رہے کہ تومان محض لفظی سکہ ہے اصل سکہ ریاں ہے ایک نوٹ سو کا دوسرا بیس کا اور تیسرا دس ریال کا تھا،
اس نے کچھ کہا۔۔۔۔یعنی لفظ ایک بھی ہماری سمجھ میں نہ آیا ہم بخیر وسلامت کہ جانے کو تھے کہ اس نے ہمیں بازو سے پکڑا اور ایک اونی بنیاں اور اسکے ساتھ کا گرم گھٹنا ہمارے ساتھ سامنے پھیلا دیا۔
خیلے خوب است خیلے خوب است
ہم نے کہا ہمارے ملک میں اتنی سردی نہیں ہوتی کہ اسے پہننے کی ضرورت ہو۔
بولے ہوتی ہے،
ہم نے کہا نہیں ہوتی ہم آئس لینڈ سے نہیں آئے۔
بولے پھر بھی اچھی چیز لے جاؤ یہ
ہم نے کہا کہ بابا ہم کیا کریں کہ ہمیں نہیں چاہئے۔
کہنے لگے بیس تومان میں دیتا ہوں بالکل مفت ہے۔
ہم نے نہ نہ کر کے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن وہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔
اب ہم نے عزر کیا یہ ۴۸ نمبر کی ہے ہمارا سائز ۳۹ ہے یہ ہمارے لئے بڑی ہے۔
بولے نمبر کی پرواہ نہ کرو تمہارے انشا اللہ فٹ آئے گی۔
ہم نے انگلی ہلاتے ہوئے کہا نا۔نا۔
پھر فارسی کا ایک سیلاب عظیم اڈا اب کے ہم نے ایک جگہ کان لگایا اور اس نے بھی زور دے کر چند الفاظ صاف بولے تو پتہ چلا کہ ہم پیسے زیادہ دے گئے ہیں ہم نے حساب لگایا واقعی ٹھیک تھا ہم نے جونٹ اور تومان یعنی بیس ریال کا دیا تھا وہ اصل میں سوریاں کا تھا گویا ہم نے تیرہ کی بجائے اکتیس تومان دیئے تھے، ہم بہت ممنون اور منتشر ہوئے اور ان کی ایمانداری کو سراہا جو واقعی سراہنیکے قابل تھی ہم نے کہا اچھا اب پیسے دو۔
لیکن پھر ہم نیوہ بنیاں اور وزیر جامہ پھیلا یا دیئے کہ یہ لیجئے۔
اب ہم نے سوچا کہ اگر یہ خود نہ بتاتا تو ہمارے اکتیس تومان گئے تھے۔
لہذا چودہ تومان پر طے کر کے ٹائیوں کے ساتھ دونوں چیزیں بھی بندھو اور ریز گاری واپس لے کر پھر شکریہ ادا کیا،
قائین کرام!

اب یہ چیزیں ہمارے پاس ہیں جن صاحب کا کراچی شہر میں ۴۸ نمبر سائز ہو ہم سے آواز دے کر طلب کر لے۔

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

حاجی بابا نے پوشاک خریدی

پس اس مصیبت سے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے مول لیا تھا اپنا گرسان چھڑکاؤ کر کے اپنے آپ کو مبارک دیتا ہے پھر پرانے کپڑے پہننے والوں کے بازار میں گیا پہلی دکان پر میں نے ایک جبہ دیکھا سخیال سے کہ اس جمت سے بھی صاحب جبہ کی طرح خیال کیا جاؤں گا میں نے پوچھا کہ اسکی کیا قیمت ہے دوکاندار نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھ کر پوچھا یہ سرخ جبہ میں نے کہا ہاں کس کے واسطے میں نے کہا کھو د میرے لئے بولا تو کتنے میں لے گا تجھے اس گودڑ شاہی شکل میں اس جبہ سے کیا عرض یہ جبہ مخصوص بڑے لوگوں اور میر نشیبوں

کا ہے میں قریب قریب جلا کر دوکندار کے جھلا سر ہوئے کو تھا کہ اتنے میں ایک لال پرانے کپڑوں کی گھٹڑی لئے گزرا میں نے دوکاندار کو چھوڑ کر اسے آواز دی وہ آیا دوکندار اا پنی بیہودگی سے پشیمان ہو کر مجھے بلانے لگا اس نے کئی آزاوازیں دی مگر میں نہ بولا دلال مجھے ایک مسجد کے والان میں گھٹڑی کھولی تو میں نے دیکھا کہ ایک کوٹ دیکھا بہت اچھا معلوم ہوا اس کی قیمت پوچھی دلال نے پہلے میرے سلیقے کی پھر عمدگی لباس کی تعریف کی اور قسم کھا کر کہا کہ یہ بادشاہ کے ایک خاص فراش کا ہے ایک دومرتبہ سے زاہد نہیں پہنا گیا جب میں نے پہنا تو مجھ پر نثار ہونے لگا ماشااللہ لباس کی آرائشگی اور عمدگی کیا کہنا۔

تجھے اے کل قبا کیسی معلوم ہوتی ہے۔

میں نے چاہا کہ اس کی تروفیات کو ردکردوں پھر میں ایک کشمیری شال طلب کی اس نے شال نکالی باوجود ہزار سوراخوں میں رفو ہونے کے خدا کے ایک ہزار ناموں کی قسمیں کھائیں کہ یہ عزم شاہ کی ایک بیگم کا ہے بد نصیبی ہے اسے سستا فروخت کر رہی ہے بیگم شاہ کی مثال ہونے کے غرور میں نے اسے اتنی قیمت میں خرید جتنی قیمت میں ایک مثال کر مائی خرید سکتا تھا خنجر رہ گیا تھا وہ بھی دلال نے دلایا جب میں نے اس طرح آراستہ ہو گیا تو دلال نے خوشنودی کا اظہار کیا اور قسم کھا کر کہا کہ آج طہران میں تیری طرح کوئی آراستہ نہیں۔

جب حساب کرنے کا وقت آیا تو معاملہ کی صورت بدل گئی دلال نے قسم کھا کر کہا کہ میں ٹھکانے کا آدمی ہوں وہ نہیں جو سو مانگیں اور پچاس لیں لہذا خدا ایک ہے بات بھی ایک ہے کوٹ کے پانچ تومان شال کے پندرہ تومان خنجر کے چار تومان۔۔۔۔۔۔کل چوبیس تومان ہوئے چوبیس تومان کا نام سن کر تو میری ساری خوشی کا جوش جاتا رہا آپ کو علامت کر کے میں نے چاہا کہ تبدیلی لباس کا خیال ہی کو چھوڑ دو لباس اتارنا شروع کر دیا دلال نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تجھے گراں معلوم ہوتا ہے مجھے اس میں ایک کوڑی کا بھی نفع نہیں میں نے جو قیمت کہیں وہی اصل ہے اچھا تو کیا دینا چاہتا ہے میں نے کہا کہ تیری قسموں کے مقابلے میں کیا کہو کہ خدا کو بھی بھلا معلوم ہوا اچھا پانچ تومان دیتا ہوں دلال نے بے پرواہی سے قبول نہ کئے میں نے بھی انتہائی بے پرواہی سے لباس اتار دیا جب اس نے گھٹڑی باندھلی تو بظاہر ہر معاملہ ختم ہو گیا پھر میری طرف دیکھ کر بولا دوست تو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ تیری خدمت کرں اور ایسی خدمت جو ایک بھائی دوسرے بھائی سے نہ کرتا ہو اب جو کچھ بھی ہو دس مان دیدے میں نے یہ قبول نہ کیا آخو کار بڑی گفتگو کے بعد چھ تومان ادا کئے اور ایک تومان کا اپنے لئے قبا خرید لیا بات ختم ہوئی اس نے مجھے چھوڑا میں نے خرید کردہ لباس ایک رومال میں لپیٹ کر حمام کا راستہ لیا۔

تاریخ کی گلیوں میں

ایک روز کان میں رکھ کے قلم نکلے تو موزہ مردم شماری کی راہ لی کہ سب سے قریب پڑتا تھا خیا
بان بو علی سینا کے پاس ایک چھوٹا سا کوچہ ہے اسکے اندر جائیں تو ایک چھوٹا سا میوزیم اسے بہت کم لوگ دیکھنے
جاتے ہیں لیکن یہ دیکھنے کی چیز اس میں گزشتہ صدی یعنی قاچقروں کے عہد کے رہن سہن کی زندہ تصویریں ملتی
ہیں یہ ایک بڑھیا اماں کا چرغہ رکھا ہے گرڈر اور موم کے قدم آدم مجھے زندہ معلوم ہوتے ہیں یہ اس دور کا گرجستانی
ع ہقان ہے یہ ارمنی تاجر یہ کردی دلہن یہ ملا درس دے رہا ہے لٹکے سہمے بیٹھے ہیں اور چھڑی اب اٹھی کہ اٹھی
ادھر قاضی بیٹھا ہے اور اسکے سامنے ایک طرف وہ خدا یعنی زمیندار ہے او ایک دیان خواب حال جو ایک ٹوکری میں

مندرل ءانڈے اور پھل بھی لایا ہے گر قبول افتدر ہے غرور شرف جانے کیا مقدمہ ہے اور کیا فیصلہ ہونے کو ہے ایک طرف طبیب اپنی جڑی بوٹیاں اور دواؤں کی شیشیاں سنبھلے بیٹھا ہے ادھر ایک زرگر امیر کو دکھانے کے لئے زیورات کا پٹارہ کھولے یہ اصفہان کے تاجر کا گھر ہے بیچ میں ایک چوکی ہے اس پر ایک بہت بڑی رضائی جس کے چاواطراف گھر کے چار افراد بیٹھے ہیں میاں بوی، اور دو بچے سب نے ایک ایک پلو دبا رکھا ہے ایک نیم تر یک کمرہ میں قافلے کا سامان ہے ایک گھوڑا ہے جس پر سوداگر میاں بیٹھے ہیں اور حقے کی منہال منہ میں ہے ابھی ٹٹخارا سمندر چلا دوسرا ٹٹو ہے جس پر نوکر بیٹھا ہے جس نے مشکیزہ، کوئلے کی انگیٹھی اور ناج دال کے پشتارے سنبھال رکھے ہیں ایک خچر کے دونوں طرف کجادے ہیں ہر ایک میں ایک شخص آلتی پالتی مار کر بیٹھتا ہے یہ کوئی پابندی نہیں کہ سیٹ کے بند باندھئے اور سگریٹ بجھا دیئے مزے مزے میں کہانیاں کہتے سیر دیکھتے حقہ پیتے چلے جا رہے ہیں البتہ قرزاقوں کا ڈر راستے میں ضرور رہے اور حاجی بابا اصفہانی کے عثمان آغا کا سفر یاد آتا ہے ہمارے مولوی محمد حسین آزاد بھی اسی عالم میں منزلیں طے کرتے ہوں گے ادھر اس کمرے میں پچھلی صدی کے قاچار بادشاہوں کی کچھ یادگاریں اور مرقعے ہیں گائیڈ نے ایک شیشے کے کیس کی طرف اشارہ کیا اس میں سب سے نام ور قاچار باشاہ ناصر الدین شاہ کی واسکٹ لٹکی تھی جس میں گولی کا چھید تھا اور نیچے ایک رومال بھی رکھا تھا جس سے خوب بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی یہ ۱۸۹۶ء کا واقعہ ہے اور خون کا رنگ بدل کر سرخ سے مٹیالا ہو گیا ہے اچھا تو یہ لوگ تھے جبروت اور قہر مانی کے اوتار محمد شاہ، ناصر علی شاہ آخوفنا آخوفنا۔

۱۷۴۷ء میں نادر شاہ افشار کے قتل کے بعد کچھ دنوں طواعف ملوکی رہی پھر زند خاندان نے بیس برس حکمران گی یہ اچھے لوگ تھے اور ان کا دامن آسودگی کا دور تھا لطف علی خاں زند کے زمانے میں ترکی قبیلے قاچار کے سردار آقا محمد نے شوش کی اور ایک لشکر جرار سے شہر کرمان کا محاصرہ کیا لطف علی خاں کے پاس اتنی فوج نہ تھی وہ اپنے اسپ باوفا کو مہمیز کر کے فقط تین منچلے ہمراہوں کے ساتھ دشمن کا لشکر کو چیرتا ہوا غائب ہوا آقا محمد نے غضب ناک ہو کر قتل عام کا حکم دیا کہ باشندگان مان کی ستر ہزار آنکھیں نکال کر طشت میں پیش کی جائیں اس نے اپنے خنجر کی نوک سے خود ان آنکھوں کو گنا اور مڑ کر وزیر سے کہا اگر ایک بھی کم ہوتی تو تمہاری آنکھ نکال کر گنتی پوری کرتا۔

لطف علی خاں زند بھی غریب آخو گرفتار ہوا آقا محمد نے اپنی فتح کی یادگار میں لطف علیخاں کے سرفروش ساتھیوں کی کھوپڑیوں کا ایک مینار بنوایا۔

فتح علی شاہ آقا محمد کا بھتیجا تھا ایک روز اس نے سفارش کی کہ رعایا سے ذرا نرمی برتنی چاہیئے آقا محمد نے کہا بے وقوف رعایا کے ساتھ سختی سے پیش آنا ہی میری حکومت کی کامیابی کا راز ہے میرے خیال میں تو پورے دس گھروں میں ایک چولھا چاہیئے تا کہ با آسانی اپنا کھانا بھی نہ پکا سکیں ورنہ کھا کھا کر موٹے ہو جائیں گے اور تیرے خلاف فساد پھیلائیں گے آقا محمد نے احتیاطا سب اعزہ مروا دیئے اس شخص نے نادر شاہ کی ہڈیاں نکلوائیں اور اپنے محل کی دہلیز کے نیچے دفن کرائیں ایسوں کی موت بھی ایسی ہوتی ہے ۱۷۹۷ء میں اس کے باڈی گارڈ کے دو افسروں میں جھگڑا ہوا آقا محمد نے ناراض ہو کر حکم دیا علی الصب دونوں قتل کر دئے جائیں لیکن رات کو اپنی ڈیوٹی دیتے رہیں ان دونوں نے اپنی جان سے امید ہو کر رات کو خواب گاہ میں گھس کر آقا محمد کا کام کر دیا۔

آقا محمد گئے اور فتح علی شاہ آئے یہ بھی کچھ کم نہیں تھے ان کے ایک بچے کھچے چچا صادق خاں نے بغاوت کی تو یہ مجبورا میدان میں آئے لیکن ڈرپوک تھے بندوقوں کی آواز سے غش کھا کر گر گئے وزیر خوش تدبیر

حاجی ابراہیم نے بات بنائی کہ بادشاہ سلامت فرط غضب سے آپے میں نہیں قہر سلطانی کا سیلاب اُمڈے کو ہے ہتھیار ڈال دو تو چین ہی چین ہے بیچارے صادق خاں حاجی ابراہیم کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر ہتھیار ڈال دیئے فتح علی شاہ نے اسے ایک حجرے میں بند کر دیا چند روز بعد دروازہ کھلوایا دیکھا کہ غریب بھوک سے عاجز ہو کر انگلیوں سے مٹی کھود کھود کر کھاتا رہا اور ہمیشہ کے لئے سیر ہو گیا اس وزیر باخوش تدبیر کا حشر بھی سنئے ایک روز فتح علیشاہ نے اس کے تمول اور اقتدار سے حسد کھا کر اسکی آنکھیں نکلوائی اور زبان گدی سے کھنچوائی فتح علی شاہ کی چار بویاں تھیں جن کی خدمت کے لئے پانچ سو خواجہ سرا تھے ان بیگموں سے دو سو ساٹھ اولادیں ہوتی ڈیڑھ سو لڑکے ایک سو دس لڑکیاں فتح علی شاہ کے بعد ناصر الدین شاہ کا دور آتا ہے جس نے نصف صدی تک حکمران کی پدر اگر نہ تواند سپر تمام کندا سکے عہد میں لوگوں کو مغرب کی ترقیوں کی ہوا لگنی شروع ہوئی اور خواہ ایران میں مغربی طاقتوں میں اقتدار کی جنگ کا آغاز ہوا یہ خود سیاحت یورپ کو گئے تھے اور آکر ایران میں یورپ کے تمدن کی قلم لگانی چاہی لیکن آخوا سے متاسف ہوئے کہ اپنے امرود کو سفر یورپ سے حکماً روک دیا ان کے نزدیک ٹھیٹ ایرانی کہلانے کا مستحق وہی شخص تھا جو یہ نہ جانتا ہو بر سیلز کوئی شہر یا ترکاری،

ناصر الدین شاد نے بابوں پر بہت ستم ڈھائے تیل میں ڈبوئی ہوئی رسیوں سے ان کو جکڑ کر آگ لگادی اور طہران کے گلی کوچوں میں ان کی تشہیر کی بے سر لاشیں سڑکوں پر عام پڑتی رہتیں۔

پھر طویلے کی طرف

فتح علی شوہ قاچار نے ایک بار کچھ اشعار نطرڑ کئے اور ملک الشعرا سے ان پر روئے مانگی اشعار نہایت بیچ پوچ تھے اور ملک الشعرا نے اگرچہ اپنی رائے نہایت گول لچھے دار الفاظ میں پیش کی لیکن مطلب یہی نکلتا تھا کہ بس ایسے ہی ہیں بادشاہ نے بر فروختہ ہو کر کہا یہ گدھا ہے اسے طویلے میں لے جاؤ ملک الشعرا کچھ دن گھاس کھاتے رہے ایک روز پھر بادشاہ نے فکر سخن کی اور ملک الشعرا کو بلا کر داد طلب کی شاعر صاحب بغیر کچھ کہے جانے کے ارادے سے اٹھے شاہ نے پوچھا کہاں بولے پھر طویلے جاتا ہوں۔ بادشاہ ہوں کیا ہے گاہے بدشنامے خلعت می رہند خوش ہو کر اس کا منہ مصری سے بھروا دیا چار آنے کی مصری سے کام چل گیا پرانے لوگ موتیوں سے منہ بھروایا کرتے تھے بہت فضول خرچ تھے،

ایک بار سپائیوں کے ایک دستے نے تنخواہ نہ ملنے پر شورش کی اور اس وقت واپس آئے جبکہ ان سے عضو کا وعدہ کیا گیا اس وعدے کے باوجود ان میں سے پچاس سر برآوادر اشخاص کو نہایت سفا کانہ طور پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہر ایک کے دانت اکھیڑ کر اس کے سر میں ہتھوڑے سے پیوست کئے گئے، پھر ایک بار یوں ہوا کہ طہران کے مالداروں نے گراں قیمت پر بیچنے کے لئے تمام غلہ خوید کر جمع کر لیا تھا لوگ بھوکے مرنے لگے ایک روز شاہ گھوڑے پر سوار آرہا تھا راستے میں عورتوں نے گھیر کر فریاد کی شاہ کو بہت غصہ آیا اور وہ حکم شہر کو بلا کر اس ہنگامے کے متعلق جواب طلب کیا پیشتر اس کے کہ وہ جواب دے شاہ نے حکم دیا کہ اس کا گلا گھونٹ دیا جائے حکم شاہی کی تعمیل ہوئی اور تمام شہر میں لاش کی تشہیر کے بعد تین دن تک وہ اس ستون سے لٹکی رہی جہاں

لوگوں کی گردنیں ماری جاتی ہیں ساری جائیداد ضبط کر لی گئی۔

آخر وزیر داخلہ نے ایسی ترکیب کی کہ سڑکیں شکایت کرنے والوں سے صاف ہوگئیں اس نے فراموش کو حکم دیا کہ آدھی درجن کان کٹ کر لاؤ یہ سنتے ہی فراش لوگوں پر جھپٹے کہ یا اپنے کان کٹوا یو یا فوراً معقول معاوضہ تھوڑی دیر میں سڑکیں خالی ہوگئیں فروموشوں نے اپنی جیبیں بھریں اور چند فقیروں کے کان کاٹ کر پیش کیئے۔

شاہ بہت خوش ہوا اور کہا فرخ مرزا تم ایرانیوں پر حکومت کرنا جانتے ہو۔

یہ بڑے کلے ٹھلے کے تاجدار تھے لیکن ہر فرعون رامو سے جب انہوں نے تمبا کو کی پوریخوید و فروخت کے حقوق ایک انگریزی کمپنی کے ہاتھ بیچنے چاہیت تو سید جمال الدین افغانی کی تحریک پر علماءِ اسلام نے تمبا کو کی ممانعت پر فتوی جاری کر دیا تمبا کو فروشوں کی دکانیں بند ہوگئیں ایران کے زن و مرجن میں سے نوے فیصد رات دن حقہ پینے کے عادی تھے یک لخت اسے چھوڑ بیٹھے لوگوں نے حقے توڑ تاڑ کے پھینک دہئے آخو شاہ کو معاہدہ منسوخ کرنا پڑا اور پانچ لاکھ پونڈ ہرجانہ دینا پڑا۔

اب شاہ سید جمال الدین کی جان کے لاگو ہوگئے آخو انہوں نے درگاہ شاہ عبد العظیم میں پناہ لی اور سات ماہ تک وہاں ہے۔

ناصر الدین شاہ نے ایران کی قومی روایت کو توڑ کر ان کو ایسے میں پکڑ منگوایا کہ بیمار تھے اور اٹھنے کے قابل نہ رہے تھے اس پر اشتعال پھیلا اور آخر کار شاہ کر ایک جواں سال محبّ الوطن مرزا محمد رضا کر فرمائی کے ہاتھوں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

اب مظفر الدین قاچار تخت پر بیٹھے لیکن اس عہدے سے ایران جدید اور آئینی اصلاحات کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے۔

سردار جی است سری اکال

ہم ابن سینا بک سیلر کی دکان پر کتابیں دیکھ رہے تھے کہ مالک دکان رمضائی صاحب نے بتایا دیکھئے ایک ہندوستانی آقا آپ سے ملنا چاہتے ہیں ہم گئے تو ایک صاحب خالد میاں دینی کے کتب فروش تھے معلوم ہوا جرمنی جا رہے ہیں ہم نے کہا کیسے آنا ہوا بولے ان کہ راستے مشہد ہو تا ہے بس سے آیا ہوں۔

کہاں ٹھرے ہیں۔

بولے گرد دارے ہیں۔

گرد دادے میں کیسا؟ کیسا گرد وارہ ہم پوچھ رہے ہیں طہران میں کہاں ٹھرے ہیں۔

بولے طہران ہی میں تو کہہ رہا ہوں گردوارے میں،

تب انہوں نے بتایا کہ یہاں خالصہ جی خاصی تعداد میں ہیں اور زیادہ تر موڑ کے پرزوں کا کام کرتے ہیں یہاں ان کا گردبھی ہے بلکہ میں جو زاہدان سے آیا ہوں انہی صاحبوں کے ساتھ آیا ہوں اچھے آدمی ہیں بس خوابی یہ ہے کہ پنجابی راستے ہیں اور میں پنجابی سمجھتا نہیں۔

ہم نے کہا کہ ہم سے ملوایئے۔

بولے کہ آپ پنجابی سمجھ لیتے ہیں۔

ہم نے کہا کچھ کچھ

ان کے ساتھ دروازے سے نکلے ہی تھے کہ تین سردار جی نظر پڑے ایک دکان سے فارسی بول بول کر پھل خوید رہے تھے خالد میاں بولے اس کا پورا احاطہ موڑوں کے پرزوں کی دکانوں کا تھا۔ یہیں زاہدان کی وجہ تسمیہ معلوم ہوئی اس شہر کو پہلے زواب کہتے ہیں پہلی جنگ عظیم کے بعد جب وہاں ریل بنی شروع ہوئی تو انگریزوں کا انتظام تھا اور وہ ادھر ہی سے لیبر بھرتی کر کے لے گئے تھے ان میں ایک بڑی تعداد سکھوں کی تھی ریل تیار ہوگئی تو کچھ لوگ واپس آگئے کچھ نے وہی روزی کے ذریعے تلاش کرلئے اور آباد ہوگئے ایرانیوں نے جوانوں کی وضع قطع دیکھی تو مرعوب ہو گئے کہ ہونہ ہو مولوی لوگ ہیں اور زاہد کہ سن کی سی داڑھیاں بڑھا رکھی ہیں پس اس شہر کو زاہدان کا نام دیا زاہدان کے بازار سے گزرئے تو اب بھی دھوکا ہوتا ہے کہ پٹیالے کی کوئی تحصیل ہے زندہ دل اور وسع دار لوگ ہیں بولی ٹھولی اور چال ڈھالی ہے ج کہ ھی رتی برابر فرق نہیں آیا۔

ایک پبلیشر صاحب ترجمے چھاپتے ہیں انہوں نے ایک مسودہ دراز سے نکال کر دکھایا مصنف کا نام تھا خوشونت۔۔۔۔۔سنگھ کی خوابی تھی گویا ایرانیوں نے سکھوں کو میمان تو رکھا لیکن ان کے سروں پر سینگ لگا دئے اچھی قدر پہچانی۔

شیراز اور کنار آب رکناباد وغیرہ

ان لوگوں پر خیر ہمیں رشک ت کبھی نہیں آیا تعجب ہمیشہ ہوا ہے جو صبح اٹھ بیٹھتے چرند پرند کی اور بات ہے انسانوں کا اتنے سویرے اٹھنا کبھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں لحاف کے اندر جو مزے کی غنادگی ہوتی ہے اس کا صبح اٹھنے والے بےنصیب کیا جانیں وہ تو اس وقت جنگل میں داتنیں کاٹ رہے ہوتے ہیں یا ٹھر ٹھر کرتے لارنس باغ کے چکر صبح اٹھنے کے فضائل ہم نے بھی پڑے ہیں لیکن صبح خیزوں میں سے کچھ کو تو نمونیے یا بگڑے زکام سیمرتے دیکھا باقی کی عمریں بھی ہماری چال کے سست اور وجوں سے زیادہ لمبی

ہوتی نہیں دیکھیں۔

پس ہم نے رات ہی کو ہوٹل کے نوکروں کو وصیت کر دی کہ بھائی صبح پانچ بجے جگا دینا ہم شیراز جائیں گے سبھی نے چشم کہہ کر سینے پر ہاتھ رکھے اور واقعی سب کے سب علی الصبح ہمارے دروازے کے سامنے ڈف بستہ کھڑے تھے کھڑکی سے باہر دیکھا تو ابھی کالی رات تھی حتی کہ مرغ بھی جن کو بانگ دینے کے لئے اٹھنا چاہیے تھا خواب خوگوش کے مزے لے رہے تھے لمبی سی آہ بھر کر اٹھے۔

شیراز کا ہوائی اڈہ بس ننھا منا سا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیراز کی دھرتی پر قدم رکھنے ہی اس کی قدامت وعظمت کا احساس شروع ہو جاتا ہے افسوس کہ موسم خزاں کا تھا نہ پھول نہ پات یہ یقین ہی نہیں آتا کہ وہ شہر ہے جس کے گل و گلزار کی تاریف سبھی کرتے ہیں ہمارے ساتھ کچھ امریکن ٹورسٹ بھی تھے معلوم نہیں ان لوگوں کو یہاں کیا ملتا ہے نہ زبان سے علاقہ نہ ادب وتہذیب سے نسبت ایک کیمرہ شگا یا میم کو ساتھ لیا جہاں کی تعریف سنی ادھر سدھار لئے ہمارے ساتھ سامان کا گھراک نہ تھا بس سواری کی تلاش تھی یہ بھی نہ معلوم تھا کہ شہر کتنی دور ہے اتنے میں ایک صاحب نے کہا کہاں جانا ہے۔

لحجہ ایرانی لیکن زبان اردو نما

شہر جائیے گا۔وہ پھر بولے

ہاں

بولئے چلو ہم اپنے دوست کو ڈھونڈھتا ہے یہ لے جائے گا کہاں جائے گا۔کہاں جائے گا۔؟

ہم نے کہا کہ ٹرمنس پر پہنچ کہ ٹربس پر پہنچ کے ہوٹل کی سوچیں گے کہ کہاں ٹھریں کے تھے عمر تیس سال سے کم ہوگی باپ پاکستانی یا ہندوستانی، ماں ایرانی تھیں اردو ٹوٹی پھوٹی اس لئے بولتے تھے کہ وہ تین سال کراچی میں ایران کے دفتر میں کسی معمولی خدمت پر رہ چکے تھے۔

یہاں رہ کر یہ تجربہ ہوا کہ اگر کوئی تو کون میں خواہ مخواہ قسم کا آدمی بیچ میں تپک پڑے اور کسی کی سفارش کرے تو بالعموم وہ آنے والی رقم میں حصے دار ہوتا ہے۔

شہر بہت نزدیک تھا ہم نے کہا ایرج میاں کتنے پیسے اس کو دوں بولے پانچ تومان دیدو،

بعد ازاں معلوم ہوا کہ شیزا میں شہر کے اس سے سرے تک کہیں چلے جاؤ فقط پانچ ریال دینے ہوتے ہیں جو پانچ تومان کا دسواں حصہ ہے یہی زیادہ دو تومان دینے چاہئے تھے بہر حال اسے ہم نے ایرج کی محنت کا جائز معاوضہ سمجھا ٹرمینس پر ایک مخنی سا کلرک بیٹھا تھا جو کچھ بھی نہیں بتا سکتا تھا پاس ہی سیکنڈ ویل ایجنسی تھی شیراز اور اصفہان میں اور جگہ بھی ہر کام یہی ایجنسی ٹورسٹ بورو کا کام بھی کرتی ہیں اور ہوا پیمائی ایران کے ٹکٹ دینے کا بھی ان سے ہوٹل کی کرتے کرتے معلوم ہوا کہ گر شب بھر قیام کرنے کی بجائے ابھی سے ٹیکسی لے کر آغاز کر دیں تو تمام مقام دیکھے جاسکتے ہیں مسجد وکیل حافظ وسعدی کے مزار دروازہ قرآن وغیرہ تو شہری میں ہیں میوزیم بند ہے سوال فقط تخت جمشید کا رہ جاتا ہے جو ساتھ ستر میل کی مسافت ہے اور میکڈ ویل ایجنسی والوں نے کرایے کا لمبا چوڑا حساب بتایا جو امریکیوں کے حساب سے ٹھیک ہوگا پھر وہ اصرار کر رہے تھے کہ پہلے تخت جمشید جاؤ شہر میں کیا دھرا ہے ادھر اپنا دل تھا کہ حافظ اور سعدی میں لٹکا تھا لہذا ہم نے ٹیکسی کی اور سیدھے مزار حافظ کا راستہ لیا کہ وہی پہلے پڑتا ہے۔

حافظ کے احاطے میں دیکھا کہ جا بجا لوگوں کی ٹولیاں بیٹھی ہیں اور ایک کونے میں کوئی شخص ٹیپ ریکارڈر لئے کوئی پروگرام ریکارڈ کر رہا ہے اونچی کرسی پر مزار ہے لیکن مزار کے گرد کوئی جالی یا پردہ نہیں ہے کہ اندر اطمینان سے بیٹھ کے کوئی فاتحہ پڑھ سکے یہاں فال کے لئے دیوان کا ایک نسخہ رکھا رہتا ہے ہمیں نظر نہ آیا لڑکے لڑکیاں تفریح کے موڑ میں گھوم رہتے تھے ہم نے دور ہی سے فاتحہ پڑھی اور ٹیکسی والے سے کہا چلو اب سعدی کے مقبرے

مرزا شیخ کے احاطے کے پھاٹک پر وہی یہ شعر رقم تھا۔

زخاک سعدی زیراز بوئے عشق آید

ہزار سال پس از مرگ آوا گربویم

احاطے کے اندر داخل ہوتے ہی طبیعت ایک عجیب سرور سے آشنا ہوئی یوں لگتا تھا کہ ذرہ ذرہ نہایت سادہ ہے دور ایک کاریڈیو کے سرے پر بہت مختصر سا گنبد ہے جس کے چاروں طرف جالیاں اندر مزار ہے بہت سی عورتیں مزار کو بوسہ دے رہی تھی معلوم ہوا منتیں بھی مانی جاتی ہیں ایک طرف خدمت گارڈ کھڑا تھا اور کسی عقیدت مند خشنودی کی لکھی ہوئی گلستان کی ایک حکایت اور بوستان کی ایک نظم دیوار پر آویزاں تھی جب مزار سے عورتیں رخصت ہوئیں ہم فاتحہ کے لئے بڑھے لیکن جانے کیا ہوا معاجی بھر آیا اور ہم نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب رواں تھا جتنا ضبط کرنے کی کوشش کرتے تھے سیلاب اور امڈتا تھا فاتحہ بہت طویل ہوگئی ہم نہیں چاہتے تھے کہ محافظ ہماری کیفیت دیکھے جانے کتنے عالم کے آگے آئے وہ دن جب ہم نے اپنے گاؤں میں گلستان کے درس کا آغاز کیا ہمیں یاد ہے کہ درباب شاہاں سے ہمارا درس شروع ہوا تھا اور زندت نام فرخ نوشیزاں والی حکایت پہلی تھی پھر قافلہ زردان برسر کوہے بوند نہ یاد آئی ہم نے سعدی کو ہمیشہ ا پنا رفیق اور دوست سمجھا اور شاید یہ داخلی رفاقت اور دوستی تھی جس سے یہ حال ہوا بار بار خیال آتا تھا یہی نواح ہونگے جن میں ہمارا شیخ سیر کرتا تھا گھومتا پھرتا تھا اور پھر لوگ یہاں اس کا جنازہ لائے ہوں گے یہ وہی سعدی ہے وہی شیراز ہے یعنی وہی پہنائی ہے جس سے بچپن سے فائبانہ آشنائی ہے یقین نہ آتا تھا۔

شیخ کے مزار سے رخصت ہونے کو جی نہ چاہتا تھا اٹھتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے حافظ کے مزار پر قطعا یہ کیفیت نہ تھی وہاں ہم خالی گئے خالی آئے یادگار کے لئے ہم نے کیاریوں پر نظر ڈالی صاحب گلستان جٹ پٹن میں گلاب کا کوئی پھول اس وقت نظر نی آیا ناچار گل ڈسبرگ کا ایک غنچہ نوشگفتہ لیا اور جیب میں رکھ لیا شیخ کی یہ یادگار ایک متاع عزیز کی طرح ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتی ہے۔

اگلی منزل تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مسجد وکیل

ناشاہ کے قتل کے بعد شیراز میں کریم خان زند کی حکومت رہی جو اپنی نیک نفسی اور رعایا اور سستی کے لئے مشہور تھا اس نے بادشاہ کا لقب اختیار کرنے سے انکار کر دیا اور خود وکیل رعایا ہی کہا اس کے عہد میں شیراز کے بھاگ کھلے اور یہ مسجد بھی اس کی یادگار ہے جس کی ٹائلیں بہت خوبصورت ہیں ساتھ ہی مشہور بازار وکیل ہے۔

تو ہاں سے ٹیکسی لی اور دروازہ قرآن دیکھا ایک زمانے میں شیراز کے گرد فصیل اور دروازے تھے جن میں فقط یہی باقی ہے اس کا نام قرآن دروازہ اس لئے کہ اس کے اوپر برکت کے لئے قرآن مجید کا ایک نسخہ رکھا رہتا تھا جو اب طہران کے عجائب گھر میں ہے اصفہان اور تخت جمشید سے آنے والی شاہراہ اسی دروازے کے پیچھے سے

گزرتی ہے۔

ابھی شاید بارہ کا عمل تھا اور تخت باقی تھا اصفہان کا جہاز چار بجے اڑ جاتا تھا اور ساڑھے تین بجے تک واپس ہوائی اڈے پر پہنچنا ضروری تھا ہم نے ایک سالم ٹیکسی روکی اس نے پندرہ تومان کہے ہم نے دس آ کو مار بارہ طے ہو گئے ڈرائیور کا نام مصور تھا اور اس نے سعوی کیا مجھے تھوڑی سی انگریزی بھی آتی تھی یہ دعوی اس کے ا ہنمام منصور کے دعوی انا لحق سے بھی زیادہ مبالغہ آمیز تھا کیونکہ اصل میں اسے صرف ایک لفظ آتا تھا یس اور وہ اسے مسلسل اور متواتر استعمال کرنے پر مصر تھا ہم فارسی میں لمبی چوڑی گفتگو کرتے تھے اور وہ یس کہہ کر فارغ ہو جاتا تھا گفتگو کم وبیش ہوں ہو رہی تھی۔

سوال فارسی میں میاں منصور تم شیراز کے رہنے والے ہو یا باہر کے

جواب۔ یس

سوال۔ یہاں سے اصفہان کے کوس پر ہے۔

جواب۔ یس

سوال۔ ہمارا جہاز تین بجے روانہ ہوتا تھا یا چار بجے۔

جواب۔ یس

آخر ہم نے نہایت عاجزی سے کہا کہ ہم انگریزی نہیں سمجھتے فارسی میں گفتگو کرو۔

بہر حال انگریزی کسی بھی ہو ٹیکسی منصور کی اچھی تھی اور خوب چلتی تھی شیراز کے نواحات میں پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں اور چڑھیاں اور اترائیاں بہت ہیں ٹریفک بہت کم رستے میں ہم نے پوچھا افسوس رکنا باد نہیں دیکھا نہ مصلی کی زیارت ہوئی اس وقت ہم ایک نالے کے پاس سے گزر رہے تھے منصور نے کہا آقا یہی رکنا باد ہے یہ ایک سوکھا نالہ تھا حافظ صاحب یہیں سیر کر کے خوش ہو جاتے ہوں گے مصلی تو خوب جگہ ہو گی ہم نے کہا بولے یہ جگہ مصلی ہی تو ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں گلگشت کا کیا سوال تھا خاک اڑتی تھی لیکن منصور نے کہا بہار کے موسم میں آیئے اور سبزے کی بہار دیکھیے یہ موسم شیراز دیکھنے کا نہیں ہے۔

گھاٹیاں آتی تھیں ہر بار یہ خیال ہوتا تھا اب تخت جمشید آیا کہ لیکن وہ دور تر ہوتا جاتا ہے راستے میں ایک چھوٹا سا گاؤں آیا پھر وہی ویران پر پیچ و نشیب و فراز آخو بچپن ساٹھ میل جانے کے بعد افق پر دارا کے محل کے میناروں کی تحریر نظر آئی۔۔ آخو آ گیا نہ تخت جمشید۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے

شیراز کی آبادی بہت پرانی ہے باغات آب وتاب کے اور نہریں بڑی موج زن ہیں بازار نہایت اعلی ہیں پیشہ والے ایک بازار میں ہے دوس رے میں نہیں باشندے نہایت خوبصورت اور خوش پوشاک، شہر کے اندر جو کہ پانچ نہریں نکلی ہیں ایک نہر کا نام رکنا باد ہے جس کا پانی نہایت شیریں، گرمیوں میں نہایت ٹھنڈا اور سردیوں میں گرم۔

سب سے بڑی مسجد مسجد عتیق ہے اس کے شمالی دروازے باب حسن سے پھل پھلاری بازار کو رستہ جاتا ہے یہ نہایت عجیب ہے۔

عورتیں سب موزے پہنتی ہیں اور اس طرح اوڑھ لپیٹ کر اور برقع پہن کر نکلتی ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہے ہر کیساتھ میں گرمی سے بچاؤ کے لئے پنکھا ہوتا ہے میں نے عورتوں کا کسی شہر میں ایسا مجمع نہیں دیکھا شیخ سعدی کی خانقاہ نہر رکنا باد کنارے ہے اور اس میں نہایت اعلی باغ ہے شیخ نے سنگ مرمر کے چھوٹے چھوٹے حوض کپڑے دھونے والوں کے لئے بوائے لوگ زیارت کو آتے ہیں خانقاہ کے دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں اور اس نہر میں کپڑے دھوتے ہیں۔

(ابن بطوطہ شیخ سعدی کی وفات کے تیس پینتیس برس کے اندر شیراز جاتا ہے حافظ کا زمانہ اس کے نصف صدی بعد کا زمانہ ہے)

تختِ جمشید کے خوابوں میں

ساڑھے بارہ بج رہے ہیں اور دھوپ خاصی تیز ہوگئی ہے ورائے اعظم کا شہر غدار سامنے ہے حد نظر تک محلوں کے خرابے اور ستونوں کی قطار نظر آتی ہیں ڈھائی ہزار سال پہلے تیسرے دارا اور سکندر اعظم کی فوجوں کا یدھ ہوا تھا اور دارا زخمی ہو کر اسی جگہ کھیت رہا تھا جہاں اب پیپسی کولا کا اسٹال ہے پیپسی کولا تو ایک طرف اس وقت اس غریب کے منہ میں کوئی پانی چوانے والا بھی نہ تھا یہ جو امریکی ایمبولینس یہاں کھڑی ہے بہت بعد میں پہنچی اور شیراز کا مشہور نمازی ہسپتال بھی کوئی ڈھائی ہزار سال دیر سے بنا۔

دارا سے بھی ہماری ملاقات پرانی ہے اس زمانہ میں ہم اسکول کی ابتدائی جماعتوں میں پڑھتے تھے ا سکندر کے ہاتھوں دارا کی شکست اور تباہی کا حال پڑھ کر چنداں افسوس نہ ہوا تھا کیونکہ اسکندرا عظم کو ہم مسلما ن سمجھتے تھے۔۔۔سکندرا عظم پر ہی کیا موقوف ہے جتنے ناموں میں ف، ق، غ، ظ آئیں وہ ہندو تو بہر حال نہیں ہو سکتے مثلا فیلقوس۔ارسطو، افلاطون، عیشا غوث سقراط، بقراط، اور ان دنوں ہمارے نزدیک قومیں فقط دو تھیں ہندو اور مسلمان سر سکند حیات خاں ان دنوں ہمارے صوبہ کے وزیرا عظم تھےاور اسکندرا عظم اور اسکندروزیرا عظم میں کوئی ایسا لمبا چوڑا فرق نہیں بلکہ ہمیں افسوس ہوتا تھا کہ اسکندر دریائے بیاس کے مغربی کنارے سے کیوں لوٹ گیا ہمارا گاؤں بیاس کے مشرق میں کوئی زیادہ دور تھوڑی تھا اے آمدنت باعث آبادی ما سو یہ ہے تخت جمشید جسے یورپ والے پرسی پولس کہتے ہیں ہوا یہ تھا کہ کچھ عرصہ پہلے فارس والوں نے یونان پر حملہ کر کے ایتھنز کے قلعہ نما شہرا کری پولس کی اینٹ سے اینٹ بجاسی تھی جوابا اسکندرا عظم نے پرسی پوسی کا تیا پانچا کر دیا تھا لیکن اس کو بھی یونان زندہ واپس پہنچنا نصیب نہ ہو۳۔ واخیر دارا اور اسکندر دونوں کا انجام بخیر ہوا اور تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ ا کری پولس اور پرسی پولس دونوں کے دیوان خانوں اور زنا نخانوں میں ٹورسٹ لوگ جوتوں سمیت، کیمروں اور ٹریولر چیکوں سے مسلح دندناتے پھرتے ہیں یہ جو چٹانوں کا سلسلہ تخت جمشید کے پس منظر میں کوہ رحمت کہلاتا ہے تخت جمشید کو تخت جمشید کیوں کہتے ہیں کوہ رحمت میں رحمت کی کیا بات ہے اور وہ جو ہم نقش رستم دیکھنے جائیں گے اس سے رستم کا کیا تعلق ہے یہ کوئی نہیں بتاسکا یہیں کہیں تخت جمشید سے سو سال پہلے سیروس اعظم کا بنا کردہ شہر پازگادتھا اور انہی نواحات میں اصطخر کی آبادی تھی تو عہد اسلام میں کئی مشہور رہا اب یہ تینوں شہر محض خواب ہیں۔

یہ شہر کھا گئی کس کی نظر کسے معلوم

اچھا تو میاں منصور تم اپنی ٹیکسی یہیں پارک کرو اور آقائے دوکاندار ذرا ایک پیپسی کھولنا میاں منصور تم بھی پیو یہاں کوئی گھنٹہ بھر ٹھرنا ہو گا بلیطہ؟ اچھا صاحب آپ بھی دس ریال لیجئے اور ٹکٹ عنایت فرمائیے خیلے مومنم خیلے مومنم،

کھنڈرات کی کرسی زمین سے کوئی تیس چالیس فٹ اونچی ہے اور اس پر چڑھنے کے لئے چوڑی سیڑھیوں کا سلسلہ ہے ان سیڑھیوں پر گھوڑے مع سواروں کے ٹاپیں مارتے چڑھتے تھے لیجئے اب مسطح میدان ہے بہت سے محلوں میں تو میناروں کے فقط ٹھنٹھ باقی ہیں لیکن بعض منارے اب بھی آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں دیواریں کئی کئی فٹ تک قائم ہیں اور دروازے تو اکثر جگہ ڈھائی ہزار سال سے یونہی کھڑے ہیں ا وران کی نقاشیوں کا جلال قائم ہے کہیں شیروں کے مجسمے ہیں کہیں بیلوں کے بت یہاں حمام تھا یہاں دیوان خاص تھا اب آپ دھوپ کی پرواہ کرتے ہوئے چلتے چلتے محلوں کی وسعت سے نہ گھبرائیے آخر بنانے والے اپنے پرانے زمانے کے جہاں پناہ تھے اس زمانے میں آپ کو کون یہاں گھسنے دیتا وہ تو انسیاحوں کی ہڈیاں بھی گل گئیں جنھوں نے اپنے ناموں کو دوام عطا کرنے کے لئے انہیں مختلف دروازوں اور محرابوں پر ٹھیکریوں سے کندہ کر دیا ہے کوئی کتبہ جرمن میں ہے کوئی فرنچ میں ایک ۱۸۹۶ء کا ہے نیو پارک ٹائمز کے نامہ نگار کا ایک کی تاریخ ۱۸۵۸ء ہے ایک ۱۸۳۶ء کا بھی صحنوں، صحنوں ایوانوں میں سے گزرتے ہوئے ایک میوزیم میں پہنچتے ہیں چھوٹا سا میوزیم ہے کیونکہ یہاں کے آثار کچھ اطہران کے موزہ ایران پاکستان میں چلے گئے کچھ اپنے آبا کی کتابوں کی طرح لندن اور پیرس میں تخت جمشید کے میوزیم میں زیادہ تر چھوٹے بڑے مٹکے مٹکیاں ہیں جلی ہوئی

لکڑی کے کچھ ٹکڑے بھی کیونکہ آخو سارا محل آگ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

تخت جمشید میں سب سے رفیع الشان تو دارا کا ہے دوسرے نمبر پر اس کے جانشیں خوخشاس اول کا صدستوں محل اس کا نام پادانا ہے جس کو دراویش (دارا) اول نے شروع کیا اور اس کے بیٹے نے مکمل کیا یاد رہے کہ اسکندر سے لڑنے ہوئے جو شہنشاہ مارا گیا وہ دارا نامم کا تیسرا بادشاہ تھا اسی طرح کئی بہرام ہوئے ہیں اور کئی خوخشان اپادانا کے تیرہ ستون ابھی باقی ہیں اور محل کے مشرقی زینے پر شاہ معظم کی خدمت میں ۲۸ قوموں کے لوگوں کو نزریں لاتے دکھایا گیا ہے اس کے پہلو میں دارا کا پرائیویٹ محل ہے جو تکارا کہلاتا ہے اور اس کے دروازے پر شاہ کے ایک عفریت سے لڑنے اور اس سے سر میں تلوار بھونکنے کی تصویر ہر قسم ہے بادشاہ کی داڑھی اور کپڑوں میں جواہر ٹکے ہوئے تھے اب فقط سوراخ باقی ہے اس طرح ایک نجی خل خوخشاس اول کا بھی پھر ایک ملکہ کا محل جس میں خدام اور لونڈیوں کیلئے حجرے ہیں جو عمارت میوزیم کی ہیں وہ پہلے استقبال گاہ تھی نقش و ستم تخت جمشید سے چار چھ میل آگے ہے ہم نے جی میں سوچ لیا تھا کہ وہاں جانے کے دو چار تومان ڈرائیور کوا ور دے دیں گے ہم نے کہا میاں منصور چلو نقش رستم کے نقوز تو سڑک پر ہی نظر آجاتے ہیں باقی رہے دیوار میں بنے ہوئے حجروں میں تابوت ان کو دیکھنے میں پانچ دس منٹ لگیں گے ان حجروں کے دہانے سڑک سے کوئی سو منٹ سے زیادہ اونچائی پو ہوں گے پرانی تحریروں کے مطابق وہاں تک رسوں سے چڑھتے تھے تابوت بھی یونہی کھنچے گے تھے اب ایک تنگ گول زینہ لوہے کا لگا دیا گیا ہے نیچے اوپر بہت سے بچے جمع تھے ان کی طبیعت خوش طبعی پر مائل ہوئی تو انہوں نے چھڑ کر کوئی شروع کر دی بعض کے قمص، شلوار، سے ہمیں شبہ ہوا اور ہم نے پوچھا کیا تم لوگ پاکستانی یا ہندوستانی ہو معلوم ہوا نہیں خراسان اور مازندان کے ہیں ان مقبروں اور تابوتوں کا حصہ بہت تنگ و تاریک ہے پہاڑ کو اندر سے کھود کر بنایا گیا ہے باہر سڑک کے رخ کی تصویریں اور کتبے ساسانی بادشاہ اردشیر کے ہیں یعنی تیسری صدی عیسوی کے ایک جگہ بہرام دربار لگائے ہوئے ہے ان تابوتوں میں ایک تو داریوش اول کا بیان کیا جاتا ہے دوسروں کے متعلق قیاسات اور اختلافات ہیں۔ لیجئے صاحب جو شہر صدیوں میں بسے اور اسکندر کو آکر ڈھانے پڑنے ہم نے ڈھائی گھنٹے میں اب پھر ہم تھے اور شیراز کی سڑک جس پر منصور کی ٹیکسی ساٹھ میل کی رفتار سے فراٹے بھرتی جا رہی تھی ہم نے اپنے جی ہی جی میں حساب جوڑا بارہ تومان تخت جمشید تک اور جیسا کہ رستے میں طے ہو گیا تھا دس تومان واپسی کے کل ۲۲ نقش رستم تک جانے کے دو تین چار پانچ سمجھ لیجئے شہر سے ہوائی اڈہ دور نہیں دو تین اس کے بھی گویا تیس تومان چلئے منصور بھی خوش ہو جائے گا لیکن۔

مادر چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

تخت جمشید سے واپسی پر شیراز کی سڑک پر فراٹے بھرتے ہوئے حافظ سعدی کے ذکر لطیف میں بات سے بات نکالتے ہوئے منصور نے کہا۔

آپ مجھے کتنے پیسے دیں گے۔

ہم نے کہا برادر رہجان برابر کوئی بے اختیاری ہے کیا تمہیں خوش کر دیں گے۔

بولے نہیں یہ بات نہیں یہ ٹیکسی ہی آپ کی ہے آئندہ جب کبھی جناب عالی شیراز تشریف لائیں تو اس خانہ زاد منصور کو یاد رکھیں اس ناچیز کت ہوتے کسی اور سے آپ خدمت لیں گے تو میرا دل توڑیں گے۔

ہم نے کہا واہ یہ کبھی ہو سکتا ہے۔

دروازہ قرآن سے ہم نے گزر کر ہم نے کہا ابھی خاصا وقت ہے ذرا شہر کے اندر لے لو سی سر سبز خیابان سے ہو کر چلیں اب تک تو جاڑ اہوں میں سے گزرے ہیں۔

بولے آپ نے خیابان کریم خاں زند تو دیکھی؟
ہم نے کہا وہ تو صدر بازار ہے وہ تو دیکھا۔
بولے بس ویسی ہی اور سڑکیں سمجھئے،
معلوم ہوتا تھا کہ ان کو ہوائی اڈے پر پہنچنے کی جلدی ہم سے زیادہ ہے ائیر پورٹ پر پہنچ کر ہم نے بائیس یا پچیس کی بجائے جو ان کا حق ہوتا تھا تیس تومان منصور صاحب کی مٹھی میں دے دیئے۔
ہم نے کہا یہ تیس ہیں اتنے تو میں نہیں لوں گا۔
ہم نے کہا لے لو۔ لے، لو، ہم کوئی بطور بخشش یا انعام تھوڑا ہی زیادہ دے رہے ہیں تو ان پانچ تومان کر ہمارا دوستانہ نزرانہ سمجھ کر قبول کرو تکلف نہیں کیا کرتے۔
لیکن منصور صاحب ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ جناب۔ پینتیس سے ایک تومان کم نہ لوں گا۔
پینتیس؟ وہ کیسے ہم نے پوچھا ۱۲+۱۰ تو ۲۲ بنے تھوڑا اوپر لگا لو۔ ۲۵ ہو گئے
چلو ۲۷ سہی لیکن ۳۵ کیسے؟
بہت سی فارسی بول کر فرمایا حساب کو چھوڑیئے پینتیس ہی ہوتے ہیں۔ ہم ٹیکسی سے نکل چکے تھے لیکن وہ بھلا مانس جو تھوڑی دیر پہلے تک خانہ زار بنتا تھا رستہ روک کر کھڑا ہو گیا جناب پینتیس دیجئے پینتیس۔
اب ہوائی اڈے کے حمال اور دوسرے بے فکرے تماشائی آن جمع ہوا ان سے فریاد یا استغاثہ کیا کرتے منصور ہم سے اچھی اور تیز فارسی بولتا تھا ممکن ہے مقدمہ جیت بھی جاتے لیکن اصفہان کا جہاز ضرور چھوٹ جاتا۔
پس تم نے کہا لو میاں ۳۵ تومان قربانت شوم تم تو کہتے تھے ٹیکسی آپ کی ہے۔
منصور نے نہ ہمارے سلام کا جواب دیا نہ کوئی اور بات کی ٹیکسی لے یہ جا وہ جا۔

اصفہان و اصفہانیات

جہاز پیچھے سے ایک گھنٹہ لیٹ آیا تھا لہذا اصفہان پہنچتے پہنچتے خاصا جھٹ پٹا ہو گیا تھا اور سردی بھی یہاں شیراز سے بہت زیادہ تھی زیادہ بھی ایسی کہ ہڈیوں میں گھر کرنے لگی ہوائی اڈے پر ہی میکڈویل ایجنسی والوں سے پوچھا کہ آپ کسی ہوٹل میں جگہ دلا سکتے ہیں؟
بولے شہر میں بے شمار ہوٹل ہیں دیکھ لیجئے گا۔
ٹیکسی والے سے کہا میاں چلو شہر کسی ہوٹل میں پہنچاؤ،
شہر کی بڑی سڑک خیابان چہار باغ کے دو رویہ ہوٹل تھے لیکن زیادہ تر ایسے جیسے صدر کے علاقے میں درمیانے اور دوسرے درجے کے ہوٹل ہیں ایک جگہ ٹیکسی روک کر پوچھا بولے ہمارے ہاں جگہ نہیں دوسری جگہ پہنچتے ہی ایک بیرے نے منہ کو عجب بدتمیزی سے گھما کر کہا نو،
ہم نے پھر پھر کہا،
جواب ملا۔ نو
گویا یہ شخص منصور کا جواب تھا اسے یس کے علاوہ کچھ نہ آتا تھا یہ نو سے آگے نہیں جانتے ہم نے کہا بھلے مانس اگر جگہ نہیں تو زبردستی تھوڑی ہے جواب تو ذرا تمیز سے دو۔

بہت ہی نیک نہار آدمی نکلا ایک لفظ اور بولا سوری تین چار جگہ بھٹکنے کے بعد ہم نے کہا ڈرائیور سے کہا میاں اب تم پھر میکڈویل ایجنسی کے شہر والے دفتر میں چلو۔

ایجنسی کے مینجر نے فون کر کے پوچھا اور بتایا ایران تور میں ایک کمرہ ہے تو لیکن صرف ایک رات کے لئے۔

ایک تو تخت جمشید کے کھنڈروں میں دن بھر گھومنے کی خستگی پھر سردی سوائے آرام کے کسی شئے کو جی چاہا یہ ہوٹل اعلی درجے کا ہوٹل تھا اور زیادہ تر یہاں بھی یورپین بھرے تھے ہوٹل کیا ہے بھول بھلیاں کاریڈیو میں سے کاریڈیو نکلتی گئی ہے اور آخوی سرے پر اوپر ہمارا کمرہ تھا جس کا راستہ کئی بار ہم بھولے اور کمرہ بھی کیا کوکلی سی اندر کفن کے سرہے تو باہر کفن کے پاؤں کی مثال بمشکل جسم سیدھا کرنے کی گنجائش تھی لحاف وغیرہ بھی واجبی ساتھا طہران میں بھی ہیٹر استعمال کرنے کا جی نہ چاہتا تھا یہاں ہیٹر بھی لگایا بلکہ ایک سے کام نہ چلا تو سوعلی الصبح اٹھ ہاتھ منہ دھو ہم نے ناشتہ کیا اور شہر اصفہان کا نقشہ ہاتھ میں لے ٹہلتے ٹہلتے چل نکلے اصفہان بنانے والوں نے ٹورسٹوں کی آسانی کے لئے تمام قابل دید مقامات کو ایک جگہ پر جمع کر دیا ہے چار مشہور مقامات تو میدان شاہ کے (جسے میداں نقش جہاں بھی کہتے ہیں) چاروں بازوؤں پر ہیں ادھر جائیے اور داہنے ہاتھ مڑیئے تو وسط میں عالی قاپو دوسرے بازو میں مسجد شاہ تیسرے میں مسجد شیخ لطف اللہ اور چوتھی سمت میں مشہور پرانا بازار عالی قاپو کی پشت پر محل چہل ستون ہے جامع مسجد البتہ ذرا دور پڑے گی اور مینار لرزاں اور زلفہ بھی شہر سے باہر ہیں اب رہے اصفہان کے مشہور پل تو ایک پر سے آپ ابھی آئے ہیں ہوائی اڈے کی سڑک اسی پر سے گزرتی ہے اور دوسرا اس کے پہلو میں جاتے ہوئے دیکھ لیجئے گا۔

سو یہ اصفہان نصف جہاں شاہ عباس صفوی کے زمانے میں جو اکبر کا ہم عصر تھا اس شہر کی عظمت کا یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ سارے یورپ اور مشرقی وسطی میں اسکی ٹکر کا کوئی شہر نہ تھا اس وقت آبادی پانچ لاکھ ہے اسوقت دس لاکھ تھی۔

لیکن یہاں دلی لاہور کا سا بھیڑ کا کہیں نہیں ہے آبادی بہت چھدری ہے حتی کہ بازار میں بھی جہاں کھوے سے کھوا چھلنا چاہیئے تھا ٹانواں ٹانواں آدمی نظر آتا ہے حاجی بابا کے زمانے کے ان اونچے نیچے چھتے ہوئے کوچوں کو چھوڑ خرّص اِن ہم ابھی جائیں گے باقی سڑکیں کھلی کھلی ہیں مرکزی سڑک خیاباں چہار باغ اتنی کھلی ہے کہ مرکزی سڑک خیاباں چہار باغ اتنی کھلی ہے کہ بیچ نیں درخت ہیں دورویہ گاڑیوں کی گزر گاہ اور پھر فٹ پاتھ کھلی کے علاوہ نکلے کی طرح سیدھی بھی تھوڑی دور جا کر ایک عظیم محراب اور نما عمارت نظر آئی یہ مدرسہ چہار باغ تھا ہمارے بہاولپور کی طرح جس کے ریلوے اسٹیشن پر بھی قبے ہیں اصفہان کی ہر پرانی عمارت پر سب سے پہلے مسجد ہی کا دھوکا ہوتا ہے خیر پرانے زمانے میں مسجد و مکتب الگ تھوڑا ہی ہوتے تھے یہاں بھی بلطہ لینا پڑا اور ایک گائیڈ بھی کہیں سے نمودار ہو گیا بیچوں بیچ نہر سی ہے چہار طرف حجرے اور ان کے محازی چار گنبد و محراب بڑی لق ودق عمارت ہے بڑی محراب کے طغرے بہت شاندار ہیں اور تاریخ ایک جگہ ۱۱۱۲ھ اور دوسری جگہ ۱۱۱۹ھ لکھی ہے اسکے ایک حجرے میں ایک بادشاہ قتل ہوا تھا غالبا صفوی خاندان کا کئی تاجدار وہاں سے نکل پو قدمے چلتے شہر داری کی عمارت کے پاس سے مڑتے اور چہل ستون کی عمارت کو بوجہ ناوا قفیت راستے میں چھوڑتے میدان نقش جہاں میں آ نکلے یہاں پہلے پولو کھیلا جاتا ہے لیکن اب پارک ہے داہنے ہاتھ پہلی عمارت عالی قاپو نظر آئی یہ ایک محل ہے سات منزلہ ۱۱۷ سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں شاہ عباس اس میں راگ رنگ کا جلسہ بھی کرتے تھے لیکن اس کی بالکونی خاص اس انداز سے بنائی گئی تھی کہ میدان میں پولو کا تماشا دیکھا جاسکے اندر سے عمارت خاصی سادہ ہے وسعت بھی کچھ ایسی نہیں زینے بھی تنگ، حجرے بھی تنگ چھتیں بھی نیچی ہیں کہتے ہیں یہیں سے چہل ستون کو راستہ نکل جاتا تھا لیکن بعد میں درمیانی راہ بند کر دی گئی ایک حجرے میں بڑے نازک طاقچے بنے ہوئے ہیں راگ رنگ کی محفل میں ارتعاش سے فائدہ اٹھانے کے لئے اب یہ کئی جگہ سے خستہ بھی ہو رہے ہیں

عالی قاپو کے دونوں طرف دکانوں ن کے سلسلے ہیں لیکن گاہگ اکا دکا ہی دیکھا چند قدم پر مسجد شاہ ہے واہ کیا عظیم ا لشان محرابی دروازہ ہے یہاں اندر جانے کے لئے بھی ٹکٹ لیجیئے اول تو جتنی بڑی مسجدیں دیکھیں اب ان میں نماز شاید ہی کوئی پڑھتا ہوگا پڑھتا ہوگا تو نشائد اسے بھی ٹکٹ لینا ہوتا ہوگا۔

اصفہان کی مسجد شاہ کے ایک طرف حجروں کی بجائے لمبے تالار ہیں ایک طرف چند خواتین کھڑی نماز ادا کر رہی تھیں اصفہان کی مسجد شاہ کا نقشہ عام مسجد وں سے مختلف ہے یہاں قبلے کی محراب صدر دروازے کے محاذ میں واقع نہیں ہے خیر ہم نے بھی ہاتھ پیچھے باندھ کبھی اس محراب کے طغروں کو دیکھا کبھی اس کے اندر بھی باریک کام ہو رہا تھا ایک جگہ ایک گائیڈ کچھ امریکنوں کو کوئی چیز دکھا رہا تھا لیکن ہماری سمجھ میں نہ آئی ہم فارغ ہو کر نکلے کو تھے کہ مرتضیٰ نکوئی مل گیا۔

مرتضیٰ نکوئی ایک سیدھا سادا لڑکا تھا مخنی بیمار سا کوئی سولہ سترہ برس کا سن ہوگا سلام کرکے بولا آپ انگریزی جانتے ہیں۔

ہم نے کہا ہاں تھوڑی تھوڑی،

بولا مجھے انگریزی بولنے کا شوق ہے یہاں کے امریکن مدرسے میں پڑھتا ہوں چھوٹی کے روز یہاں آجاتا ہوں چونکہ امریکی اور دوسرے انگریزی داں یہاں ہوتے ہیں ان سے باتیں کرکے بولنے کی مشق کرتا ہوں۔

ہم نے کہا، بڑی اچھی بات ہے۔

انگریزی بولتے بولتے آپ کو شہر بھی دکھادوں گا۔

ہم نے کہا، اڑیں چہ بہتر

بولا، مسجدیں تو سب جگہ ایک سی ہوتی ہیں بازار چلیں،

ہم نے کہا ترتیب وار چلیں گے بازار کوئی بھاگا نہیں جاتا،

بولے بارہ بجے بند ہو جائے گا،

ہم نے کہا۔ بارہ بجنے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے اور اس مسجد میں ہمیں پانچ منٹ لگی گے مرتضیٰ نکوئی ہمیں ہمیں ادھر کھینچ رہا تھا ہم ادھر جا رہے تھے آخر ہم نے کہا ہمیں خویداری نہیں کرنی۔ بازار سے ہمیں دلچسپی نہیں ہم تو مسجد لطف اللہ دیکھیں گے بولے خیر جلدی ے دیکھ لیجئے بازار میں اچھی اچھی چیزیں ہیں اور بعض دوکاندار میرے واقف ہیں مال عمدہ اور با کفایت دیں گے،

ہم نے کہا۔۔ دیدہ خواہد شد

مسجد شیخ لطف اللہ میں داخل ہو کر ہم نے کہا دو ٹکٹ دیجئے۔

مرتضیٰ نکوئی نے کہا صرف ایک لیجئے مجھ سے یہ لوگ ٹکٹ نہیں مانگتے روز کا آنے والا ہوں،

ٹکٹ والا بھی مسکرایا ہمارا بھی ماتھا ٹھنکا، یہ زنانہ مسجد تھی اور شیخ لطف اللہ جن کے نام پر بنی ہے غالبا بیگمات شاہی اتالیق تھے یہ ۱۲۰۶ء میں بننشروع ہوئی اور ۱۶۱۸ء میں ختم ہوئی (مسجد شاہ ۱۶۱۲ئمیں بنی شروع ہوئی تھی اور اٹھارہ سال میں مکمل ہوئی) عباس صفوی کے اصفہان کو اکبر کا آگرہ یا شاہ جہاں کی دلی سمجھئے کہ قدم قدم پر جلال و جمال نمایاں ہے۔

مسجد لطف اللہ میں واقعی پانچ دس منٹ سے زیادہ نہ لگے حالانکہ اندر کام اتنا باریک اور نفیس تھا کہ شائد کسی اور مسجد میں نہ ہوگا۔ اب پھر مرتضیٰ نکوئی نے بازار کی طرف کھینچنا شروع کیا لیکن ہمیں ایک چھتا ہوا خستہ سا بازار نظر آیا اسکے دہن طرف تنگ اور پر پیچ گلیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا مرتضیٰ نکوئی بولے آپ نے قالین

بانی کا کارخانہ دیکھا؟

ہم نے کہا کہ ہمیں کرخانوں سے دلچسپی نہیں،

بولے ویسا مشینوں والا کارخانہ نہیں بلکہ وہ جو چھوٹی لڑکیاں بنتی ہیں ہم نے کہا وہ تو دیکھیں گے گلیوں اور گلیاروں میں گزرتے مرتضے نے ایک دروازے پر جو کسی طرف سے کارخانہ معلوم نہ ہوتا تھا دستک دی ایک ادھیڑ خاتون نے دروازہ کھولا عورتیں ادھر ادھر ہو گئیں اندر تنگ سا صحن تھا اور اسکے پہلو میں ذرا سا بر آمدہ اس میں ایک چوبی تخت تھا اور بر آمدے کی محراب کے ساتھ قالین کا تانا تنا ہوا تھا تین چار چھوٹی چھوٹی بچیاں اس میں بانا بن رہی تھیں گویا سارا کام ہاتھ کا کام تھا ہم نے کہا یوں تو بہت دیر لگتی ہوگی؟ ان محترمہ نے فرمایا تین تین چار چار سال لگ جاتے ہیں ایک قالین نو اٹھارہ سال میں بنایا گیا تھا ہم ایک مسقّف گلی میں سے ہوتے ہوئے سیدھے ازار میں آ نکلے بازار کا مطلب طہران یا اصفہان میں عام بازار نہیں بلکہ پرانا بھتا ہوا بازار ہے جس میں محرابی دروازوں کی دکانیں ہوتی ہیں طہران میں سے بازار بزرگ کہتے ہیں اصفہان میں فقط بازار۔

مرتضے نکوئی ہمیں پکڑ کر بازار کی پہلی ہی دکان پر لے گئے اور بولے بڑی اچھی دکان ہے جو چیز آپ کو یہاں ملے گی سارے اصفہان میں نہیں ملے گی ادھر دکاندار بھی ایلا وسہلا کہتا اخلاقی سے دوہرا ہوا جارہا تھا ہمارا ماتھا پھر ٹھنکا۔

رہبر بھی ملا تو مرتضی نکوئی

اب عام یہ تھا کہ ہمارا جی بازار کی سیر کو مچل رہا تھا اور آقائے مرتضی نکوئی کو اصرار تھا ہم خویداری کریں ہم نے کہا خیر پہلے ہم ذرا بازار کے اس سرے تک ہو آئیں پھر جہاں سے اچھی چیز ملے گی لیں گے بشرطیکہ دام بھی مناسب ہوئے نکوئی صاحب بولے بازار میں آگے کچھ نہیں چند حلوائیوں اور ٹھٹھیروں کی دکانیں ہیں سو آپ کو منقش ظروف اور مٹھائی درکار ہوئی تو اسکی بھی اچھی دکانیں مجھے معلوم ہیں لیکن جہاں تک کپڑے اور قالینوں اور کشیدہ کاری کے نمونوں اور دوسری نازک چیزوں کا تعلق ہے اس دکان سے بہتر کہیں نہ ملیں گی ورنہ مجھے کیا پڑی تھی کہ آپ کو یہاں لاتا۔

ہم نے کہا۔ بھائی ہم بدل و جان آپ کے ممنون ہیں لیکن وہ اس بازار کے سرے پر جو شکستہ

محراب دار عمارت ہے اسے ہم ضرور دیکھیں گے،

بولے جی وہ تو ایک مسجد ہے مسجد بھی کیا پرانے زمانے کا کھنڈر ہے جس پر کچھ کتبے دتبے لکھے ہیں اسے دیکھ کے کیا کیجئے گا،

ہم نے کہا بھائی یہاں ہم آئے ہی ان کھنڈروں اور کتبوں کے لئے ہیں ورنہ شیخ رحمت اللہ کی مسجد اور علی قاپو کی بجائے بانک ملی یا شہر داری (میونسپلٹی) کی شاندار رمارتیں کیوں نہ دیکھتے اور یہاں بازار کا رخ کیوں کرتے جبکہ طہران کی فروشگاہ فردوسی میں بھانت بھانت کی چیزوں کے انبار لگے ہیں ہم تو پرانی چیزوں کی سوندھی خوشبو سونگھنے آئے ہیں کنکریٹ کے محل طہران اور کراچی میں بہت ہیں یہ سارا فلسفہ مرتضیٰ نکوئی کی سمجھ میں نہ آیا جس سے واقعی گمان ہوتا تھا کہ امریکن اسکول میں پڑھتا ہے اس نے بمشکل بیس تیس قدم آگے جانے کی اجازت دی اور ہم مرکزی چورستے کا موڑ مڑنے کو تھے کہ اس نے آستین پکڑ کر کھینچ لیا بس آگے مت جایئے گا۔

ہم نے کہا اچھا اس دکان پر یہ بوہ خوب ہے اسے دیکھیں۔

بولے یہ اس دکان پر بھی ہے اور یہاں سے کچھ قدر سستا بھی ملے گا۔ مال بھی وہاں کا پائیدار ہے،

ہم نے کہا۔ اچھا پھر وہی چلیں چلیں۔

دوکاندار نے فورا لمبے چوڑے پلنگ پوش سامنے لا کر پھیلا دیئے ہم نے کہا ان کا ہدیہ۔

بولے لاجواب چیز ہے آپ سے پچاس تومان لیں گے،

ہم نے کہا۔ میں پندرہ تومان ضرور حاضر کر سکتا ہوں،

بولے واہ۔ آغا خوب داد دی۔ ذرا اس کی بوٹی تو دیکھئے کتنی عمدہ ہے۔

چالیس تومان میں قریب قریب مفت ہے ارے میرے منہ سے چالیس نکل گیا؟ خیر نکل گیا تو چالیس ہی سہی۔ باندھ دوں؟

ہم نے کہا۔نہیں جناب ہمارے پاس اتنا زر نہیں ہے پندرہ تومان بھی ہمارے منہ سے جلدی میں نکل گئے یہ دیکھئے ادھر دھاگے نکل رہے ہیں بارہ تومان سے زیادہ نہیں دوں گا۔

بولے۔ اچھا ہم آپ سے پینتیس لے لے گا۔

ہم نے کہا۔ نمی باشد یعنی گھر بیٹھو۔

بولے تیس

ہم نے کہا۔ بارہ۔ وہ بھی تمہارا دل رکھنے کے لئے ورنہ انصاف سے یہ چادر دس تومان کی ہوتی ہے۔

بولے تم نے پندرہ تومان قیمت تو لگائی تھی نا؟ اب دس پر آ گئے۔

ہم نے کہا۔ ایک کی نہیں دو کی لگائی تھی خیر اسے ہٹایئے ہمیں یہ درکار ہی نہیں یہ میز پوش کتنے کا ہے۔

اب دوکاندار بڑی سے بڑی چیز نکال کر دکھاتا تھا ہم چھوٹی سے چھوٹی چیز پر ہاتھ رکھتے تھے اس نے ایک بڑا خوان پوش نکالا ہم نے نظریں ادھر گھما کر ایک چھ انچ مربع کا رومال پسند کیا جس پر شیخ سعدی بیٹھے حقہ پی رہے تھے وہ تانبے کا ایک بڑا طشت اٹھا کے لایا ہم نے ایش ٹرے پسند کی اس نے ایک قالین پھیلایا ہم نے ایک چھوٹا سا ہٹوایا،۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ ہم نے دس دس آنے والے آٹھ رومال خریدی لئے یہی نہیں بلکہ ایک جزدون نما کپڑے کا بیگ بھی لے لیا پانچ چھ روپے کا ایک لیڈیز ہینڈ بیگ بھی چھپے ہوئے حنائی کپڑے کا اتنے

میں مل گیا جس پر فردوسی کی تصویر تھی کم از کم اس تصویر میں مرحوم کی شکل بالکل مہا راجہ رنجیت سنگھ سے ملتی تھی۔

مرتضی نے کہا۔اب مٹھائی ضرور لے لو اصفہان کا تحفہ ہے اے لو یہ حلوائی ہماری پہچان کا ہے میاں ان صاحب کو ذرا دو تین کیلو گز تو دے دینا ہم نے کہا۔گز کیا؟

ایک قند کی بھیلی اٹھا کر دکھائی یہ گز کہلاتی ہے مزے کی چیز ہے۔

ہم نے کہا۔ہم مٹھائی نہیں کھاتے دانت خواب ہوتے ہیں۔

بولے نہیں ہوتے

ہم نے کہا ہوتے ہیں،

بولے۔ہماری یادگار کے طور پر لے جایئے

ہم نے کہا۔ناصاحب یہ گز ہماری سمجھ میں نہیں جاڑے میوہ گزک ہوتی ہے جسے ہم لچک کہتے ہیں۔

بولے تو پھر یہ لو اشارہ کچھ لڈو نما مٹھائی سے صاف رکھو۔

اتنے میں ہمیں ایک دکان پر سلیپر نظر آئے یوں تو ہم کراچی میں لوگوں سے کیا کیا لانے کے وعدے کر کے آئے تھے ریڈیو سنگر مشین ریفریجریٹر زعفران زیرہ وغیرہ لیکن جس نے بہت کسرنفسی سے کام لیا اس نے بھی ایک سلیپر لانے کی فرمائش ضرور کی تھی سامنے ایک دکان پر بیسوں سلیپر رکھے نظر آئے یہ ایک خاص طرح کے زنانہ جوتے ہوتے ہیں جن پر رنگ برنگی تخفل سی منڈی ہوتی ہے دوکاندار نے کہا جناب پندرہ تومان کا مال آپ کی آمد کی خوشی میں ڈس دس تومانکا لگا دیا بالکل مفت ہے کیونکہ دکان کا دیوالہ نکالنا مقصود ہے کتنے جوڑے دے دوں پندرہ یا بیس؟

ہم نے کہا ایک جوڑا کافی ہوگا۔اگر سات تومان پسند ہوں تو ز ہے عزوشرف۔

بولے۔ہاں پسند ہے جلدی نکالیئے۔

بازار کو سلام کر کے باہر نکلے ہم نے مرتضی نکوئی سے پوچھا اب ابھی ہمیں چہل ستون بھی دیکھنا ہے اور جامع مسجد بھی۔

بولے۔اس وقت تو وہ بند ہوگئیں۔سہ پہر میں دیکھیئے گا۔اب چلئے کھانا کھائیں؟

ہم نے کہا۔ہم تو کھانا نہیں کھاتے۔

بولے کیوں کیا آپ بیمار ہیں۔

ہم نے کہا۔نہیں خدانخواستہ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دوپہر کا کھانا کھانے کا رواج نہیں۔

ہمارا ارادہ اب یہ تھا کہ ان کو پانچ تومان ان کی محنت کا معاوضہ کسی بہانے دے کر رخصت کردیا جائے ورنہ ان کی تسمہ پائی سے نقصان بھی ہوگا اور لطف بھی غارت ہوتا۔

بولے آپ ڈکشنری پڑھتے ہیں؟

ہم نے کہا۔نہیں پڑھتے تو نہیں ہاں ڈکشنریاں دیکھی ضرور ہیں کبھی کوئی مشکل لفظ آیا دیکھ لیا۔

بولے میں اسے باقاعدہ پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ میری انگریزی مضبوط ہوا اور مجھے انگریزی کے سارے الفاظ آجائیں۔

ہم نے کہا۔وہ تو سوائے خدا کی ذات کے کسی کو نہ آتے ہوں گے۔

بولے۔ایک شخص حیم ہے اس کو آتے ہیں اس نے کئی ڈکشنریاں بنائی ہیں انگریزی سے فارسی کی بھی فارسی سے انگریزی کی بھی میں سوچتا ہوں کتنا بڑا عالم ہوگا۔

ہم نے کہا ڈکشنری بنانے کا طریقہ ہمیں معلوم ہے اس کے لئے سارے الفاظ جانتے ضروری نہیں

ہوتے۔

بولے میں بڑی بڑی مشکل کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں یہاں میں نے ایک دکان پر بڑی اچھی اچھی ڈکشنریاں دیکھی ہیں لیکن افسوس خرید نہیں سکتا گویا حسن طلب شروع ہوا ہم نے کہا ایک دکان کی کیا تخصیص ڈکشنریاں تو ہر دکان پر ملا کرتی ہیں آج بازار میں ایک بک اسٹال پر ہم نے دیکھی تھیں بولے۔اس دکان پر بہت عمدہ ہیں اور کافی ذخیرہ ہے آپ کو دکھاؤں ہم نے کہا۔ نہیں اس وقت جی نہیں چاہتا۔

بولے۔مجھے ایک لے دیجئے راستے ہی میں دکان ہے۔

دکان راستے ہی میں تھی اور دکاندار نے باقی گاہکوں کو نظر انداز کرتے اور مرتضی نکوئی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہیں ہمیں اندر بلالیا اور کہا یہ دیکھئے ساری ڈکشنریاں موجود ہیں۔

مرتضی نکوئی کے حوصلے بہت بلند تھے اس نے ایک نور اللغات کے حجم کی لغت اٹھا کر کہا یہ اچھی ہے اس میں سارے لفظ شامل ہیں۔

کتنے کی ہے۔

بولے وہ تو سامان کی ہے۔

ہم نے ان کے ہاتھ سے لے کر واپس شلف میں رکھ دی۔

انہوں نے اب اس سے چھوٹی لغت اٹھائی

یہ پچاس کی ہے۔

وہ بھی ہم نے انکے ہاتھ سے لے کر شلف میں ٹکا دی

ایک اسے چھوٹی تھی بولے۔

یہ اتنی اچھی تو نہیں لیکن گزارہ ہے۔

ہم نے کہا۔کتنے کی؟

بولے فقط بیس تومان کی ہے لے لوں،

ہم نے کہا۔ دیکھو میاں مرتضی نکوئی ہمیں سیٹھ ساہوکار مت سمجھو ہم میں بیس تومان بھی خوچ کرنے کی تاب نہیں تمہیں زیادہ سے زیادہ یہ ڈکشنری لے کے دے سکتا ہوں یا پھر یہ،

ان میں سے ایک پانچ تومان کی تھی دوسری سات کی۔

اب انہوں نے ایک اور مٹھائی۔ بولے یہ بارہ تومان والی بھی چل جائے گی ہم نے کہا۔ انگریزی کا کوئی ایسا لفظ بولو جو اس پانچ تومان والی میں نہ ہو منہ لٹکا کے بولے خیر یہ سات تومان والی لئے لیتا ہوں۔

اب ہم دکاندار سے مخاطب ہوئے میاں یہ کتنے کی ہوگی صحیح بتاؤ سات تو ہم دینے سے رہے۔

بولے جی سات تومان ہی ہوں گے کمپنی کی قیمت لکھی ہوئی ہے اور ہمارے ہاں ایک دام ہیں۔

خیر کچھ وہ گھٹا کچھ ہم بڑھے چھ تومان میں سودا ہو گیا۔

باہر نکل کر کہا اچھا میاں مرتضی نکوئی خدا حافظ پھر ملیں گے اگر خدا لایا ر بولے تو آپ چہل ستون مینار لرزاں جامع مسجد خود دیکھ لیں گے۔

ہم نے کہا۔۔ہاں اور پھر ہم تمہارا قیمتی وقت ضایع نہیں کرنا چاہتے تم پھر مسجد شاہ واپس جاؤ کوئی اور گانٹھ کا پورا تلاش کرو۔

بولے۔یہ میرا کارڈ لے لیجئے۔اور مجھے بھولئے نہیں۔

ہم نے کہا۔بھولنا کیا معنی۔واپس جا کر ہوسکا تو تمہارے بارے میں لکھیں گے بھی تمہیں کوئی بھول سکتا ہے؟

ہم نے ہاتھ ملا کر اور مرحمت شما زیاد کہہ کر خیابان چہار باغ کی طرف قدم اٹھایا مرتضی ہیں کھڑا رہا چالیس قدم ادھر ایک غباروں والے کی دکان تھی وہاں ٹھٹک کر ہم نے سوچا دیکھیں تو مرتضی نکوئی صاحب اب کیا کرتے ہیں ؟

مرتضی نکوئی دوبارہ کتاب فروش کی دکان میں گھسا اور چند لمحے کے بعد باہر نکلا اس کے ہاتھ میں ڈکشنری نہ تھی۔

خدا جانے اس دکان پر حیم کی ڈکشنریوں کے ایسے کتنے صوبے ہوتے ہوں گے ہم تو خیر پاکستانی ہیں اور طبیعت کے جزوں کہ چھ تومان میں یہ آزاد ٹالا دو سومان نہ سہی بیس تومان کی ڈکشنری خرید کر دینے والے ہیں اسے واپس لے کر دکاندار ایک دو تومان اپنا حصۃ لے لیتا ہوگا باقی مرتضی نکوتی کی حبیب میں جاتے ہوں گے۔

سو یہ تھے مرتضی نکوئی

اب دوپہر تھی اور کڑاکے کی دھوپ پڑ رہی تھی ہوٹل میں جانے کا کچھ فائدہ نہ تھا رہنے کی تو مجبوری ہے کھانا آپ کہیں بھی کھائے وقت ایسا تھا کے آدھ گھنٹے کے بعد دیکھنے کے مقامات چہل ستون وغیرہ پھر دیکھنے والوں کے لئے کھلنے والے تھے بڑی سڑک پر پہنچ کر ہم پھر داہنے والوں کے لئے کھلنے والے تھے بڑی سڑک پر پہنچ کر ہم پھر داہنے ہاتھ ہو لیے تھوڑی دور پر قیمے کی سوندھی خوشبو آئی جو بھوک کو چمکا گی یہ ایک چھوٹا سا بھٹیار خانہ تھا ہم نے دیکھا کہ باورچی زیتونکے تیل کا چمچہ نہیں ایک بہت بڑے فرائی پین میں ڈال قیمہ بھونتا ہے اور پھر نان کو اسی روغن میں تل اوپر سے قیمہ ڈال گاہکوں کو پروس رہا ہے ایک طرف لسی کا لال ماٹ رکھا تھا یوں کوکا کولا ور کنار ڈائی کا انتظام بھی تھا بھٹیار خانے کا یہ مطلب نہیں کر وہاں کرسی میز نہ تھی سب کچھ تھا بوائے نے فورا پیاز اور چٹنی سامنے لا فرمایا بفرمائید آقا۔

ہم نے کہا۔ روٹی قیمہ اور لسی۔

قیمہ تو خیر۔ روٹی کا سائز اچھی خاصی ٹوکری کے برابر تھا ہم نے کہا اس سے آدھا۔

اس نے تعمیل ارشاد کی۔

ہم نے کہا اس سے بھی آدھا۔

یہ پارہ نان بھی ہمارے ظرف سے کچھ زیادہ ہی تھا لیکن سوچا کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک پولیس والا پاس کی میز پر بیٹھا مونچھیں مٹکا رہا تھ بولا آپ دوغ پسند کرتے ہیں ؟

ہم نے کہا جی ہاں۔ ہمارے ہاں ہر کھانے کے ساتھ لسی پی جاتی ہے ہاں بڑی فائدہ مند چیز ہے لیکن آج کل کے لونڈے تو کوکا کولا اور کنار ڈائی پر جان دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اگر اسی فٹ پاتھ پر دو قدم آگے جائیں تو داہنے ہاتھ ایک رستہ مڑے گا وہ ایک چوک پر پہنچائے گا وہاں سے بائیں ہاتھ مڑیں تو جامع مسجد کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے کسی سے پوچھ لیجئے بلکہ خود ہی ڈھونڈ لیجئے۔

www.HallaGulla.com

ابن بطوطہ لکھتا ہے

Virtual Home for Real People

شہر اصفہان بہت بڑے شہروں میں سے ہے اور نہایت خوبصورت ہے لیکن اب سینوں اور دوا فض کے درمیان فتنہ کی وجہہ سے ویران ہوگیا ہے۔

پھل پھلاری بکثرت ہیں مشمش جسے قمر الدین کہتے ہیں یہی انگور اور خوبوزہ تو ایسا عجیب ہوتا ہے کہ ماسوا بخاری اور خوارزمی خوبوزے کے ویسا کہیں نہیں ہوتا بے انتہا شیریں جسے کھانے کی عادت نہ ہو پہلی بار کھانے سے اسے دست آنے لگتے ہیں میری بھی یہی حالت ہوئی۔

باشندگان اصفہان بہت خوش خوراک ہیں بایں الفاظ دعوت کرتے ہیں آیئے نان ماس نوش فرمایئے ہر پیشے والا کا ایک چودھری ہوتا ہے جسے کلو کہتے ہیں کھانے پینے میں بہت تکلفات روا رکھتے ہیں ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی دعوت کی تو شمع کی آنچ پر کھانا پکایا دوسرے نے دعوت کی تو نہلے پہ دہلا مارا ریشم کی آگ دے چولھا روشن کیا۔

جامع مسجد اور رحمت اللہ

اصفہان کی جامع مسجد وہاں کی قدیم ترین عمارتوں میں سے ہے مسجد شاہ والی قاپوستون وغیرہ صفویوں کے عہد یعنی سترھویں صدی کی یادگار ہیں لیکن جامع مسجد کا زمانہ پرانا ہے بلکہ کہتے ہیں یہاں ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی معبد رہا ہے جہاں اب یہ واقع ہے وہاں قبل از سلام پارسیوں کا ایک بڑا آتشکدہ ہوا کرتا تھا مسجد کی بنا تیسری صدی ہجری کے شروع کا ایک عباسی خلیفہ کے ہاتھوں پڑی۔

خیر آگے ایک چوک تھا غالباً وہی چوک جس کا پتہ بتایا گیا تھا لیکن کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے کیوں نہ پوچھ لیا جائے چند ننگ دھڑک لڑکے کنکروں سے کھیل رہے تھے ہم نے انہیں بلا کے جامع مسجد کا راستہ دریافت کیا سب ایک ساتھ بول اٹھے ان کی چیں چیں چیں چیں تو سمجھ میں نہ آئی ہاں انگلی کا اشارہ واضح تھا

www.hallagullah.com

ہم نے رحمت شمازیاد کہہ کراو ہر قدم بڑھایا لیکن ان لوگوں کو کنکروں سے زیادہ دلچسپ مصروفیت ہاتھ آ گئی تھی لہذا سارا غول بیابانی ساتھ ہولیا عجب سڑک تھی حدنظر تک کوئی سواری گاڑی تو کیا کوئی متنفس نظر نہ آتا تھا دورویہ کچی مٹی اور لال اینٹوں کے بڑے بڑے آثاروں والے مکانات تھے لیکن بیشتر گرائے جارہے تھے اور ان کے اندر کے طاقچے اور دریچے ان کی کہنگی کا پتہ دے رہے تھے عمارتی مسالہ بھی پڑا تھا اور گرداڑ رہی تھی اور لونڈے دلکی چلتے ہوئے ایک دوسرے کو کہنیاں مارتے مارتے پیچھے چھوڑ جانے کی کوشش کررہے تھے نتیجہ یہ کہ بقول شاعر کوئی یہاں گرا وہاں گرا اور آخر میں تین چار ہی رہ گے،

ہم نے کہا کیا نام ہیں تم لوگوں کے۔

ایک کا نام علی تھا، دوسرے کا مصطفے تیسرے کا کچھ نام تو تھا لیکن ہماری سمجھ میں نہ آیا۔

پڑھتے ہو؟

نہیں،

کیوں ؟

چیں چیں چیں چیں کچھ پلے نہ پڑا۔

اچھا اب آرام کرو بہت شکریہ

پول بدہید، یعنی پیسہ ڈھیلا کرو۔

ہم نے بھی اپنی فارسی چمکانے میں مضائقہ نہ سمجھا اور کہا اچھا جو شخص یہ بتائیے کہ میں کہاں کا ہوں اسے پانچ ریال ملیں گے،

ایک بولا۔امریکی،

ہم نے کہا۔ہت تیرے کی،

دوسرا بولا۔ فرانسہ یعنی فرانیسی

ہم نے کہا۔اور سوچو اور سوچو،

آخر ایک نے کہا۔جناب آپ مشہدی ہیں اور کیا ہیں۔

مزید بحث فضول تھی اس لئے کہان کا تاریخ جغرافیہ کا علم ختم ہو گیا تھا۔ہم نے پاکستان کا نام لیا تو آرے بلے کہہ کر رہ گئے بولے اچھا اب پیسے دو۔

ہم نے کہا۔ تم لوگ امتحان میں فیل ہو گئے۔پیسے کیسے؟

اب انہوں نے ہمارے گرد رقص کرنا شروع کر دیا،

ہم نے کہا اچھا ایک ایک ریال،

بولے۔جی نہیں پانچ پانچ ریال،

ہم نے کہا۔نمی باشد

وہ بھی بولے نمی باشد آخو تین تین ریال پر سودا ہو گیا۔

بولے آپ بھی کیا یاد کریں گے ہم آپ کو ایک نزدیک کے رستے سے لے چلیں گے،

واقعی وہ نزدیک کا راستہ تھا لیکن نہایت ٹیڑھا۔۔۔۔۔۔؟۔۔۔۔۔۔کچھ پیتل کانسی کے برتنوں والے کچھ خیاط، کچھ عطار۔ہر چیز سیکنڈ ہینڈ سی لگتی ہے حتی کہ لوگ بھی۔

طویل راستہ عین جامع مسجد کے سامنے جا کر نکلا۔

اس جامع مسجد نے بہت انقلابات دیکھے ہیں لیکن اس وقت وہ بھی لنڈے بازار کا مال معلوم ہو رہی تھی ایک دروازہ سے ہم اندر گھس گئے اور کسی نے بلطہ تک نہ پوچھا مسجد کے صحن میں پہنچے تو بے اختیار اختر الایمان

کی مسجد یاد آئی۔

گرد آلودہ چراغوں کو ہوا کے جھونکے
روز مٹی کی نئی تہہ میں دبا جاتے ہیں
اور جاتے ہوئے سورج کے وداعی انفاس
روشنی آ کے دریچوں کی بجھا جاتے ہیں

حسرت شام و سحر بیٹھ کے گنبد کے قریب
ان پریشان دعاؤں کو سنا کرتی ہے
جو ترستی ہی رہیں رنگ اثر کی خاطر
اور ٹوٹا ہوا دل تھام لیا کرتی ہے
یا ابابیل کوئی آمد سرما کے قریب
اس کو مسکن کے لئے ڈھونڈ لیا کرتی ہے
اور محراب شکستہ میں سمٹ کر پہروں
داستاں سرد ممالک کی کہا کرتی ہے
ایک میلا سا، اکیلا سا، فسردہ سا دیا
روز عشر زدہ ہاتھوں سے کہا کرتا ہے
تم جلاتے ہو کبھی بجھاتے بھی نہیں
ایک جلتا ہے مگر ایک بجھا کرتا ہے

لڑکوں نے پیسے تو لے لئے لیکن اور اودھم مچانا نہ چھوڑا ہم تو منبرہ محراب میں الجھ گئے انہوں نے حوض کے گرد کلیلیں کرنی شروع کیں وہاں سے جی اوب گیا تو ہمیں آستین سے پکڑ بائیں ہاتھ کی محراب میں سے اندر لے گئے کہ یہ دیکھو۔ یہ ایک لق دوق تالار تھا محرابیں ہی محرابیں ستون ہی ستون اور پھر ان میں کمر کمر تک دیواریں۔گویا مختلف حصے کر رکھے تھے یہاں کسی زمانہ میں قافلے آ کر ٹھرا کرتے ہوں گے لڑکوں کو اچھا کھیل ہاتھ آتا تھا اب انہوں نے ان ستونوں اور دیواروں کے پیچھے آنکھ مچولی کھیلنی شروع کر دی اتنے میں ایک جغادری گالی سنائی دی۔

پھر ایک ادھیڑ عمر کا کرنجی آنکھوں والا آدمی ان کے پیچھے بھاگتا نظر آیا لڑکے ڈال ڈال وہ پات پات لڑکے تین وہ ایک لیکن اس شخص میں اس بلا کی چستی اور پھرتی کہ تعجب ہوتا تھا۔۔۔اسنے اس ٹولی کا تالار سے صحن اور صحن سے دروازہ تک برابر پیچھا کیا پھر آ کر ہمیں مطلع کیا کہ یہ شیطان کی اولاد ہیں اور جناب میاں سلام عرض کرتا ہوں اور آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اہلا و سہلا اے آمدنت باعث آبادی ما۔
یہ شخص رحمت اللہ تھا پر اسرار رحمت اللہ جس کے متعلق ہم اب بھی کبھی رات کو سوچا کرتے ہیں کہ کیا تھا اور اس کا ہمیں تہہ خانے میں جانے اور کواڑ بند کر دینے سے کیا مقصد تھا۔

رحمت اللہ جامع مسجد کا جسے جمعہ مسجد کہتے ہیں دربان اور گائیڈ سبھی کچھ تھا اس نے کہا جناب

یہ اصفہان کی سب سے قدیمی مسجد ہے اور ۸۴۰ء میں ایک عباسی خلیفہ نے اسے بنایا تھا گیورھویں صدی عیسوی میں سلجوقی عہد میں اس کی تعمیر ہوئی۔

ہم نے کہا کیا مطلب؟

بولے نویں صدی میں بنی اور گیارھویں صدی عیسوی میں اس کی تعمیر ہوئی۔

ہم نے کہا۔ خوب خوب اب ہم سمجھ گئے ہم بھول گئے تھے کہ تعمیر کرنے کا مطلب مرمت کرنا ہے وہ آتش کدہ کہاں ہے جو کہتے ہیں قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔

رحمت اللہ نے انگلی کے اشارے سے ایک طاقچہ دکھایا بولے یہاں وہ آتش کدہ ہوا کرتا تھا یہیں سے مسجد کی بنا شروع ہوئی اسکے مختلف حصے مختلف زمانوں کی یادگار ہیں یعنی پہلی تعمیر پر اضافہ ہوتا گیا یہ آتشکدے والا حصہ قدیم ترین ہے عباسیوں کے عہد کا آپ کو تہ خانہ دکھاؤں۔

کہاں ہے؟

اس دروازے کے پیچھے ہے۔

جس تالار میں ہم کھڑے تھے اس کے ایک کونے میں ایک لکڑی کا دروازہ تھا پہلے ہم نے اندر قدم رکھا بہت دھندلی اور ملگجی سی روشنی تھی روشنی نہیں جھٹ پٹا تھا کئی سیڑھیاں نیچے اترنا پڑا یہ بھی ستونوں اور محرابوں کا ایک لق دق سلسلہ تھا اور روشنی فقط چھت کے موگھوں سے آرہی تھی سیلن سے عجیب طرح کی بو اٹھ رہی تھی جس کا فشار ذہن پر اثر کرنے لگا تھا۔

اتنے میں دروازے کی چٹخنی چڑھانے کی آواز آئی رحمت اللہ نے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کر دیا۔

لیکن کیوں؟

اپنے اگلے دس منٹ کے احسانات کا ہم قطعت سے تجربہ نہیں کر سکتے ہو سکتا ہے یہ آسیبی کیفیت ہمارے ذہن کے اندر ہو ہوسکتا ہے باہر کا عکس ہو دروازے کی کنڈی کیوں چڑھائی گئی رحمت اللہ ہمارے قریب قریب آنے کی کیوں کوشش کر رہا ہے اس کی کرنجی آنکھوں میں یہ کیا جھلک رہا ہے یہ تہ خانہ ایک الگ تھلگ دینا ہے باہر سے کسی نے ہمیں اندر آتے دیکھا بھی نہیں لہذا اگر ہم باہر نہ نکلیں تو کوئی یہ بھی نہیں کر سکتا چیخ بھی باہر نہیں جاسکتی اور پھر دروازہ کیوں بند ہوا کیوں بند ہوا؟

رحمت اللہ نے اس تہ خانے کی کیا تاریخ بیان کی کچھ یاد نہیں شاید یہاں قیدی رکھے جاتے تھے وہ ہمارے پاس آنے کی کوشش کر رہا تھا ایک دوبار اس نے کچھ دکھانے کو پاس بلانے کی کوشش کی لیکن ہم نے سنی ان سنی کردی ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ پہلو بچا کر دروازے پر پہنچیں اور کنڈی کھول کر نکل جائیں لیکن وہ کسی نہ کسی صورت ہمارے اور دروازے کے درمیان حامل ہو جاتا ہے دوسرا دروازہ اگر کوئی ہے کہاں ہے کچھ معلوم نہ تھا رحمت اللہ کی چیتے کی سی لپک جھپک ہم دیکھ چکے تھے ہم پھرتی اور قوت میں اس کا جوڑا نہ تھے اور دونوں کی آنکھ مچولی تہ خانے کے تاریک ترحصے ہیں ہمیں لئے جارہی تھی۔

آخر ایک جگہ یک فرسودہ سا دروازہ نظر پڑا ہم نے جھپٹ کر اس کی زنجیر کھولی اب ہم ایک گنبد والے وسیع حجرے میں تھے جس کا دوسرا دروازہ صحن مسجد میں کھلتا تھا اور وہاں سے تازہ روشنی جھل مل کرتی آرہی تھی رحمت اللہ اندر سے اب بھی پکار رہا تھا کہ یہ دیکھو یہ دیکھو لیکن ہماری وحشت بیرونی دروازے کی طرف دھکیل رہی تھی اس حجرے میں ایک بہت پرانے زمانے کا منبر رکھا تھا کس زمانے کا؟ اب یاد نہیں لکڑی فرسودہ ہو کر کالی ہو رہی تھی آخو رحمت اللہ بھی نکل آیا اور دروازہ باہر سے بند کردیا پھر ہم دونوں صحن میں آگئے اب وہ

بھینارل انسان نظر آتا تھا اور ہماری بھی سحر زدگی ختم ہو رہی تھی اس عالیشان عمارت کی باقی وسعتیں ہم نے صحن اور بر آمدوں ہی میں کھڑے ہو کر دیکھیں کسی اور حجرے میں جانے کا حوصلہ نہ ہوا،

رحمت اللہ نے کہا اب ایک فنجان چائے نوش کرتے جاہیء ہم نے کہا مہربانی۔

اس نے اصرار کیا کہ ہمیں بھی چائے کی پیاس محسوس ہو رہی تھی چنانچہ رحمت اللہ ہمیں ایک مختصر سے حجرے میں لے گیا اس کی ایک سمت پوری جالی کی تھی اسے رحمت اللہ نے کاغذوں سے پاٹ رکھا تھا تا کہ سردی اور ہوا سے بچاؤ رہے کمروں کے نیچوں بیچ ایک چٹائی بچھی تھی اور اس پر ایک لحاف پڑا تھا رحمت اللہ نے ایک طباق سی روٹی اٹھائی اور ہمیں پیش کی لیکن ہم نے شکریہ ادا کر کے معذرت کی کہ بھوک نہیں اسے وہ لپیٹ کر نمک کے ساتھ دو لقموں میں چڑھایا گیا چائے اب تیار تھی اس نے مصری نما چینی کے ایک ڈلے کو ایک ڈنڈے سے توڑا اور چینی کی کنکریاں ہمیں پیش کیں چائے مزیدار تھی۔

اتنے میں ایک لڑکا پھدکتا ہوا اندر آیا ہم نے کہا یہ کون کہا میرا لڑکا ہے۔

کیا کرتا ہے؟

پہلی جماعت میں پڑھتا ہے۔

ہمیں اپنے اسکول کے دن یاد آ گئے تھے ہم نے دو تومان لڑکے کو دیئے رحمت اللہ بہت خوش ہوا باہر نکلے بڑے تپاک سے رخصت ہوئے ہم نے ڈھائی تومان رحمت اللہ کو بھی دیئے اس پہلی جماعت کے طالب علم کا باپ مجرم ہو سکتا ہم کو دھوکا ہوا تھا یہ فقط اس تہہ خانے کا آسیب تھا۔

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

آ

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

www.HallaGulla.com

Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People